انبیائے کرام، حضرت لقمان اور امام غزالی کی

بچوں کو نصیحتیں

تالیف

عطائے مفتی اعظم ہند، حافظ و قاری

مولانا محمد شاکر نوری

(امیر سنی دعوتِ اسلامی)

پیش کش

ادارۂ معارفِ اسلامی ممبئی

شائع کردہ

مکتبہ طیبہ

۱۲۶۔ کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یُؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ۝

(سورۂ بقرہ، آیت: ۲۶۹)

انبیاے کرام، حضرتِ لقمان اور امامِ غزالی کی

بچوں کو نصیحتیں

تصنیف:

عطاے مفتیِ اعظمِ ہند حضرت حافظ وقاری

مولانا محمد شاکر نوری

(امیر سنّی دعوتِ اسلامی)

پیش کش:

ادارۂ معارف اسلامی

۱۳۲ رکامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ ۳

ناشر:

مکتبۂ طیبہ

۱۲۶ رکامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔ ۳

نام کتاب : بچوں کو نصیحتیں
تصنیف : حضرت مولانا محمد شاکر نوری (امیرِ سنّی دعوتِ اسلامی)
نظر ثانی : مولانا مظہر حسین علیمی، مولانا عبداللہ اعظمی نجمی
کمپوزنگ : مولانا سید سفیان نجمی
اشاعت اول : بموقع عالمی سالانہ سنّی اجتماع نومبر ۲۰۱۴ء
تعداد : گیارہ سو
صفحات : ۹۶
ناشر : مکتبۂ طیبہ، ۱۲۶ / کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔
قیمت :

ملنے کے پتے:

مکتبۂ طیبہ: دارالعلوم برکاتِ خواجہ، آمود، ضلع بھروچ، گجرات۔ فون: 9427464411
مکتبۂ طیبہ: ہاشمی مسجد، نزد قول پیٹھ، ہبلی، ضلع دھارواڑ، کرناٹک۔ فون: 8904008082
مکتبۂ طیبہ: مسجد یارسول اللہ، ایم ایس نوری چوک، مالیگاؤں۔ فون: 9145545480
مکتبۂ طیبہ: شاخ سنّی دعوتِ اسلامی، مڈگاؤں، گوا۔ فون: 9422446746
نیو سلور بُک ایجنسی: فینسی محل، محمد علی روڈ، ممبئی۔ ۳۔ فون: 9323406784
ناز بُک ڈپو: فینسی محل، محمد علی روڈ، ممبئی۔ ۳۔ فون: 9322255763
اقرا بُک ڈپو: ۳۰ / بی، نور منزل، محمد علی روڈ، ممبئی۔ فون: 8080270400 / 234410140

فہرست مضامین

شرفِ انتساب

حضراتِ انبیاے کرام علیہم السلام کے نام
جن کی آمد سے اِس تاریک دنیا میں شمعِ ہدایت روشن ہوئی

حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ کے نام
جن کی حکیمانہ نصیحتیں نونہالانِ اسلام کے لیے اکسیرِ ہدایت ہیں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نام
جن کے ارشادات نوعمروں کی زندگی سنوارنے کے لیے کافی ہیں

ؔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

تقدیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے۔ اولاد سے آنکھوں کو ٹھنڈک ملتی ہے، اولاد سے ذہن کو سکون ملتا ہے، اولاد سے دل کو قرار ملتا ہے، اولاد کے لیے انسان دن بھر محنت کرتا ہے اور جب شام کو تھکا ہارا گھر آتا ہے تو اپنے بچوں سے مل کر اپنی ساری تھکان بھول جاتا ہے۔ لیکن اولاد اگر نافرمان اور سرکش ہو تو والدین کا سکون غارت ہو جاتا ہے اور ان کی فکر میں والدین کی راتوں کی نینداور دن کا قرار حرام ہو جاتا ہے۔

اسی لیے اسلام نے ابتدا ہی سے اولاد کی تربیت کے حوالے سے کافی زور دیا ہے اور تربیت اولاد سے متعلق اصول وضوابط بھی عطا کیے ہیں۔ جو والدین ان اصول کی روشنی میں اپنے بچوں کی تربیت کرتے ہیں ان کے بچے فرماں بردار، اطاعت گزار اور والدین کو آرام پہنچانے والے ہوتے ہیں اور جو والدین اسلامی اصول کو فراموش کر بیٹھتے ہیں ان کے بچے ان کے لیے تکلیف اور رنج وغم کا باعث بنتے ہیں۔

بہت سے والدین لاعلمی کی وجہ سے اپنے بچوں کی صحیح تربیت نہیں کر پاتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے بچے اوباشوں کا ساتھ پکڑ کر بگڑ جاتے ہیں اور ان سے خود ان کے والدین، اہل خانہ اور معاشرے کے لوگ بھی بیزار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم تربیتِ اولاد کے اسلامی ضوابط سے آشنا ہوں تاکہ ہم اپنی اولاد کی صحیح تربیت کر سکیں۔

یاد رکھیں! چھوٹا بچہ ایک ننھے پودے کی طرح ہوتا ہے اور اس کی اچھائی اور برائی

والدین کی تربیت پر منحصر ہوتی ہے۔ جس طرح ایک پودا جب ٹیڑھا اگتا ہے تو اگر اسی وقت اسے درست کر دیا جائے تو درست ہو جائے گا لیکن جب وہ بڑا ہو کر ایک تناور درخت ہو جائے تو اسے سیدھا کرنا نہایت مشکل کام ہوگا۔ چھوٹے بچوں کا ذہن سادہ کاغذ کی طرح ہوتا ہے اس پر بچپن میں جو لکھ دیا جائے وہی لکھا رہے گا۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے بچوں کی صحیح تربیت کریں اور ان کے ذہن پر بچپن ہی سے اسلامی تعلیمات نقش کریں تا کہ بڑے ہو کر وہ حقیقی معنوں میں مسلمان ہوں صرف نام کے مسلمان نہ ہوں۔

نیک اولاد کیسے حاصل ہو؟

نیک اولاد والدین کی زندگی کو بہتر بنانے والی ہے اس لیے ہمیں نکاح کے وقت سے لے کر اولاد کے باشعور ہونے تک چند باتوں کی طرف توجہ دینا ضروری ہے تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں جو اولاد عطا فرمائے وہ نیک ہو۔

(۱) نکاح کے لیے نیک عورت کا انتخاب:

آج کے زمانے میں اس سلسلے میں لوگوں کے نظریات بالکل بدل گئے ہیں۔ نکاح کے لیے ہمیں عورتوں میں جن خوبیوں کو دیکھنا چاہیے تھا ہم انھیں فراموش کر چکے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ. (مشکوۃ المصابیح، حصہ دوم، ص: ۹۲۷)

ترجمہ: عورتوں سے چار خصلتوں کی وجہ سے لوگ نکاح کرتے ہیں۔ (۱) مال ودولت (۲) حسب ونسب (۳) حسن وجمال (۴) دین داری۔ لہٰذا تم دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہو جاؤ۔

اس حدیث میں واضح کر دیا گیا کہ نکاح کے لیے دین دار اور تقویٰ شعار عورت کو ترجیح دینی چاہیے اس لیے کہ اولاد کی تربیت اور اخلاق سازی میں ماں کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے اور بچوں پر ماں کے شب وروز کے معمولات کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ جب ماں دین دار اور تقویٰ شعار ہوگی تو اولاد کو دین داری اور تقویٰ شعاری کا درس دینا آسان ہوگا۔ ماں دین دار ہوگی تو اس کی کوکھ سے جنم لینی والی اولاد بھی دین دار ہوگی۔

اس کے برعکس اگر ہم نے فیشن ایبل اور ماڈرن فکر رکھنے والی لڑکی سے نکاح کیا تو وہ اولاد کی تربیت بھی اسی انداز سے کرے گی جس انداز سے اس کی تربیت ہوئی ہے، اولاد کے ذہن وفکر میں بھی وہی باتیں نقش کرے گی جو اس کے ذہن وفکر میں نقش ہیں، اولاد کو بھی انھی باتوں کا درس دے گی جن باتوں کا درس حاصل کر کے وہ پلی بڑھی ہے۔

(۲) اللہ کی بارگاہ میں دعا:

نکاح کے بعد ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں نیک اولاد عطا کرنے کی دعا بھی کرنی چاہیے، یقیناً وہ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ.

(سورۂ بقرہ، آیت:۱۸۶)

ترجمہ: اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

ایک مقام پر فرمایا:

وَمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا.

(سورۂ سبا، آیت:۳۷)

ترجمہ: اور تمھارے مال اور تمھاری اولاد اس قابل نہیں کہ تمھیں ہمارے قرب تک پہنچائیں مگر وہ جو ایمان لائے اور نیکی کی۔

یعنی کسی کا مال اور اس کی دولت اس کو اللہ کی بارگاہ کا قرب نہیں دے سکتی، اسی طرح کسی کی اولاد بھی اسے بارگاہِ خداوندی سے قریب نہیں کر سکتی لیکن اگر کسی نے اپنے مال اور اولاد کو نیک راہ پر لگایا اس طرح کہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور اپنی اولاد کو نیک بنایا تو وہ اس کے لیے بارگاہِ خداوندی سے قریب کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے صالح اولاد کی دعا کرنی چاہیے کہ صالح اولاد اللہ کی عظیم نعمت ہے۔

(۳) جماع کے وقت دعا:

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہر کام کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا ہے اور ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے بہتری اور بھلائی طلب کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ازدواجی تعلقات کو عموماً لوگ محض ایک انسانی ضرورت سمجھتے ہیں اور کسی بھی طرح یہ ضرورت پوری کر لیتے ہیں لیکن اسلام نے ازدواجی تعلقات کے لیے بھی ایک طریقہ متعین کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس کی بھی تعلیم فرمائی ہے۔ جو شخص صالح اولاد کا خواہش مند ہو اسے چاہیے کہ ازدواجی تعلقات اسلامی اصول اور طریقۂ کار کے مطابق قائم کرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے نیک اولاد کا سوال کرے۔

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے وقت پڑھنے کے لیے ایک دعا تعلیم فرمائی اور اس کی فضیلت میں ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے قربت کے وقت یہ دعا پڑھے اور پھر اس قربت میں وہ عورت حاملہ ہو جائے تو اس حمل سے پیدا ہونے والے بچے کو شیطان کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

وہ دعا یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا.

ترجمہ: اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ ہمیں شیطان سے چھُپا لے اور شیطان کی نظروں سے ہماری ہونے والی اولاد کو محفوظ رکھ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، حصہ دوم، ص: ۷۴۸)

(۴) کان میں اذان:

اسلامی تعلیمات میں سے ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو سب سے پہلے اس کے کان میں اذان دی جائے۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دائیں کان میں چار مرتبہ اذان اور بائیں کان میں تین مرتبہ اقامت کہی جائے تاکہ بچے کے کان میں سب سے پہلے جو کلمات پہنچیں وہ توحید کے کلمات ہوں اور اذان کے کلمات اس کے کانوں کے ذریعے اس کے دل تک پہنچ کر اس کے دل میں اثر انداز ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ اس کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس نومولود بچے سے شیطان دور بھاگے گا اس لیے کہ اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے شیطان وہاں سے دور بھاگتا ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد دِین وملت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ نومولود بچے کے کان میں اذان دینے سے وہ شیطان کے خلل سے محفوظ رہتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ اُمّ الصِّبیان نامی بیماری سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ یہ ایک قسم کی مرگی ہے جو اکثر بچوں کو بلغم کی زیادتی اور معدے کی وجہ سے ہوتی ہے جس کی بنیاد پر بچوں کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جاتے اور منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے۔

(۵) گھُٹی دی جائے:

نومولود بچوں کو گھٹی دینا بھی مسنون ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کھجور کا بالکل باریک مادہ یا کوئی اور میٹھی چیز مثلاً شہد وغیرہ انگلی پر لے کر بچے کے منہ میں انگلی ڈال کر انگلی کو ہلکی سی

حرکت دی جائے، بہتر ہے کہ کوئی نیک اور پرہیزگار انسان اسے گھٹی دے کہ اس کی نیکی اور پرہیزگاری کا اثر بچے پر پڑے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس نومولود بچے لائے جاتے تھے، آپ ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے اور انھیں گھٹی دیا کرتے۔ (صحیح مسلم، حصہ اول، ص: ۲۳۷)

(۶) اچھا نام رکھا جائے:

بچوں پر نام کا اثر بھی پڑتا ہے اور جس کے نام پر نام رکھا جائے اس کا بھی اثر پڑتا ہے۔ آج کے زمانے میں فلمی ایکٹرس کے ناموں پر نام رکھنے کا رواج عام ہو گیا ہے جس کا اثر بچوں کی تربیت پر لازمی پڑتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم انبیا، صحابہ اور اللہ کے نیک بندوں کے ناموں پر اپنے بچوں کا نام رکھیں تو یقیناً ہمارے بچوں کے اخلاق پر ان ناموں کا اثر ہوگا۔

نام رکھنے کے سلسلے میں ہمیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس نام کا معنیٰ اچھا ہو، جن الفاظ کے معانی میں تکبر اور تعلّی کا معنیٰ ہوتا ہے مثلاً شہنشاہ وغیرہ ان ناموں کے رکھنے سے احتراز ضروری ہے اس لیے کہ حدیثِ پاک میں ایسے ناموں سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ الفاظ جن کے معانی کا تعلق ضرر اور نقصان سے ہوتا ہے ان الفاظ کے ذریعے بھی نام نہیں رکھنا چاہیے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّکُمْ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِاَسْمَائِکُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِکُمْ، فَاَحْسِنُوْا اَسْمَاءَکُمْ۔ (سنن ابی داؤد، حصہ چہارم، ص: ۲۸۷)

ترجمہ: قیامت کے دن تمھیں تمھارے ناموں کے ساتھ تمھارے باپوں کے نام ملا کر پکارا جائے گا اس لیے اپنے اچھے نام اختیار کرو۔

(۷) عقیقہ کیا جائے:

بچے کی پیدائش کے ساتویں دن یا چودہویں دن ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے۔ بیٹے کے لیے دو بکرے اور بیٹی کے لیے ایک بکرا ذبح کیا جائے۔ یہ سنت ہے، خود نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی عقیقہ فرمایا ہے اور امت کو بھی اس کی تعلیم دی ہے۔

اگر ان سات باتوں کی رعایت کی جائے تو اولاد فطری طور پر والدین کی فرماں بردار ہوگی اور پھر ان کی اچھی تربیت کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

تربیت کی قسمیں

اس بات کو ذہن نشیں کر لینا چاہیے کہ اولاد کی تربیت آسان کام نہیں ہے اس لیے ہر ذمے دار کو نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تربیت کے معاملے پر خصوصی نظر رکھنے کی تاکید فرمائی ہے خواہ والدین ہوں، اساتذہ ہوں یا دیگر ذمے داران ہوں۔ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَّمَسْئُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا. (صحیح البخاری، حصہ دوم، ص:۵)

ترجمہ: ہر کوئی (کسی نہ کسی کا) ذمے دار ہے اور ہر کسی سے (قیامت کے دن) اس کے ماتحتوں کے تعلق سے سوالات ہوں گے۔ امام ذمے دار ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے تعلق سے پوچھا جائے گا، مرد اپنے گھر والوں کا ذمے دار ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے تعلق سے پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر میں (اپنی اولاد) کی ذمے دار ہے اور اس سے ان کے تعلق سے پوچھا جائے گا۔

اس لیے ہمیں اپنے ماتحتوں کی تعلیم وتربیت اپنی ذمے داری سمجھنی چاہیے اور ان کی صحیح تعلیم وتربیت کے تعلق سے فکر مند رہنا چاہیے۔

تربیت کئی طرح کی ہوتی ہے:

(۱) ایمانی تربیت (۲) اخلاقی تربیت

(۳) فکری تربیت (۴) جسمانی تربیت

ہمیں ان چاروں طرح کی تربیتوں کے تعلق سے فکر کرنی ہے اور اولاد کی ہر اعتبار سے بہتر تربیت کرنی ہے۔ یہ ہمارا دینی فریضہ بھی ہے اور ہماری اخلاقی ذمے داری بھی ہے۔

تربیت کرنے والے کی صفات

ہمیں چاہیے کہ اپنی اولاد کی تربیت کی ابتدا کرنے سے پہلے اپنی اصلاح کر لیں اس لیے کہ بچے والدین کے تابع ہوتے ہیں، والدین جو کہتے ہیں بچے انھیں سنتے ضرور ہیں لیکن کرتے وہی ہیں جو والدین کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ والدین جن چیزوں کو پسند کرتے ہیں وہ چیزیں بچوں کی نظر میں اچھی ہوتی ہیں، والدین جن چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں وہ چیزیں بچوں کی نظر میں ناپسند ہوتی ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اپنے بچوں کی تربیت کی ابتدا کرنے سے پہلے خود اپنی اصلاح کر لیں تاکہ جب ہم انھیں کچھ نصیحت کریں تو وہ ہمارے قول وفعل میں تضاد نہ دیکھیں بلکہ اگر ہم نے اپنی اصلاح کر لی تو ہمیں بچوں کو نصیحت کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی، وہ ہمیں دیکھتے جائیں گے اور ہمارے اخلاق و کردار کو اپناتے چلے جائیں گے۔ اگر ہمارے اخلاق بُرے ہیں تو اس کا نقصان یہ ہوگا کہ بچے وہی بُرے اخلاق اپنا لیں گے اور نتیجۃً وہ ہمارے لیے مصیبت کا سامان بن جائیں گے۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے اپنی اصلاح کرنی ضروری ہے۔

تربیت کی ابتدا

درحقیقت جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے وہی وقت بچے کی تربیت کا سب سے پہلا وقت ہے۔ والدہ کے اخلاق وکردار، اس کی عبادت، تلاوت قرآن وغیرہ کا اثر بچے پر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو عورتیں حالت حمل میں نماز، تلاوت قرآن، ذکرواذکار، اورادو وظائف اور درود شریف کے ورد کی پابندی کرتی ہیں ان کے بچے اس کی برکت سے نیک اور صالح ہوتے ہیں اور جو عورتیں حمل کے ایام میں سنیما اور سیریل دیکھنے میں مشغول رہتی ہیں اور نماز وغیرہ کی فکر نہیں کرتیں ان کی اولاد بداخلاق، بدزبان اور بدتمیز ہوتی ہیں۔ اس لیے ماں کو چاہیے کہ اسی وقت سے اپنی اولاد کی فکر کرے اور بالخصوص حمل کے دوران نیک اعمال کی پابندی کرے تاکہ اس کی اولاد پر اس کا اچھا اثر پڑے۔

سب سے پہلی تربیت گاہ

بچے کی ولادت کے بعد اس کی سب سے پہلی تربیت گاہ اس کی ماں کی گود ہے۔ چنانچہ مروی ہے: اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ.

(ترجمہ) ماں کی گود سے قبر کی گود تک علم حاصل کرو۔

(تفسیر روح البیان عربی، جلد:۵، ص:۲۷۴)

اس روایت سے پتہ چلا کہ ماں کی گود ہی سے اولاد کی تربیت شروع ہو جانی چاہیے۔ ماں اپنی اولاد کو جس رنگ میں چاہے رنگ سکتی ہے اور جس سانچے میں چاہے ڈھال سکتی ہے۔ ماں کی تربیت سے اولاد سنورتی بھی ہے اور بگڑتی بھی ہے۔ ماں کی گود سے اولاد بھلائی بھی سیکھتی ہے اور برائی کی عادی بھی ہوتی ہے۔ ماں کی تربیت سے اولاد اچھے اخلاق کی پیکر بھی بنتی ہے۔

سب سے پہلی بات

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دادا نے اپنی ایک کتاب میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند حدیثیں بیان کی تھیں اسی میں میں نے یہ لکھا ہوا پایا کہ جب تمھاری اولاد بولنے لگے تو ان کو کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سکھاؤ پھر ان کی موت آنے تک فکر مت کرو اور جب ان کے دودھ کے دانت گرنے لگیں تو انھیں نماز کا حکم دو۔

(عمل الیوم واللیلۃ، حصہ اول،ص: ۳۰۷،مطبوعہ دار القبلہ بیروت)

اس حدیث میں فرمایا گیا کہ جب چھوٹے بچے یا بچی کی زبان چلنے لگے اور وہ اپنی زبان سے کچھ کلمات ادا کرنے لگیں تو ان کو کلمۂ طیبہ سکھائیں۔ بچپن ہی میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچوں کو کلمۂ طیبہ سکھانے کی اس لیے تعلیم فرمائی کہ جب ان کی زبان پر بچپن ہی سے کلمۂ اسلام جاری ہوگا تو وہ بڑے ہوکر سچے مسلمان بنیں گے۔ صرف یہی نہیں کہ بچوں کو کلمۂ طیبہ سکھائیں بلکہ اس کا مطلب بھی بتائیں اور بچے جیسے جیسے ہوش سنبھالنے لگیں انھیں اسلامی عقائد اور اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں بتائیں۔

افسوس! آج ہمارے معاشرے کا حال بہت مختلف ہو چکا ہے، بچہ جب بولنے لگتا ہے تو گھر والے اسے گانا اور فلمی ڈائیلاگ سکھا دیتے ہیں اور جب وہ گانا گاتا ہے یا ناچتا ہے یا کسی فلم اسٹار کی اسٹائل کرتا ہے تو گھر والوں کو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے بچے میں یہ فن موجود ہے۔ جب کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں تربیتِ اولاد کس انداز میں کرنی چاہیے اس کا ذکر مذکورہ بالا حدیث پاک میں موجود ہے۔ اس حدیث کو اچھی طرح ذہن میں محفوظ کرلیں اس لیے کہ تربیتِ اولاد میں یہ حدیث اصل اصیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے

ہمیں چاہیے کہ جب ہمارے بچے بولنے لگیں تو سب سے پہلے انھیں کلمۂ طیبہ، درود شریف اور اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام سکھائیں۔

نماز کا حکم دو

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَ هُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَ اضْرِبُوْهُمْ عَلَیْهَا وَ هُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ.**

(ترجمہ) جب تمھارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انھیں نماز کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انھیں مار کر نماز پڑھاؤ۔ (سنن ابی داؤد، حصہ اول، ص: ۱۳۳)

بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دینے کے لیے فرمایا گیا اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے بچے جوان ہو جاتے ہیں مگر ہمیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں یا نہیں۔ بچوں کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، کھیلنے کودنے اور دیگر ضروریات کی باپ کو فکر ہوتی ہے۔ بچوں کو اسکول بھیجنے، ان کے لیے ٹفن تیار کرنے، ان کے آنے سے پہلے ان کے لیے کھانا تیار کرنے، ان کے کپڑے، جوتے، موزے وغیرہ دنیوی معاملات کی ماؤں کو فکر ہوتی ہے لیکن ان کے دینی معاملات کی فکر نہ باپ کو ہوتی ہے اور نہ ہی ماؤں کو۔ اس لیے اکثر بچے بڑے ہو کر اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نافرمان ہو جاتے ہیں اور والدین کو بھی کوئی حیثیت نہیں دیتے ہیں۔ اس کا ہم سے مواخذہ ہوگا اس لیے کہ اگر ہم نے بچپن ہی سے ان کی ذہنی تربیت کی ہوتی تو وہ نیک ہوتے۔

صدقے سے افضل

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا: لَاَنْ يُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ.
(ترجمہ) انسان کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔

(ترمذی شریف، حصہ چہارم، ص: ۳۳۷)

اسی طرح حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نے اپنے بچے کو کوئی ایسی بخشش نہیں دی جو اچھے ادب سے بڑھ کر ہو۔ (ترمذی شریف، حصہ چہارم، ص: ۳۳۸)

ان دونوں حدیثوں سے پتہ چلا کہ اولاد کی اچھی تربیت کرنے میں بڑی فضیلت ہے اور اچھی تربیت سے مراد انھیں شریعتِ مطہرہ کے احکام کی پابندی سکھانا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود پابندی کریں اگر ہم نے پابندی کی تو ہماری اولاد خود بہ خود پابندی کرنے لگے گی۔

بہت سے والدین ہیں جو اولاد کی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ گھر کے افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں اور بچے گلی کوچوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور پھر بروں کی سنگت اختیار کر کے خود بھی برے بن جاتے ہیں۔ متعدد ایسے والدین ہیں جو بچوں کے لیے روٹی اور کپڑے کا انتظام تو کر دیتے ہیں مگر اپنے آپ کو کاروبار یا ملازمت میں اس قدر مصروف کر لیتے ہیں کہ اولاد کو بالکل وقت نہیں دے پاتے۔ ایسے گھرانے کے بچے بھی عام طور پر بگڑ ہی جاتے ہیں۔

بہت سے والدین ایسے بھی ہیں جو اولاد پر توجہ تو دیتے ہیں لیکن دینی اعتبار سے نہیں بلکہ دنیوی اعتبار سے، ایسے والدین کی اولاد بیس سال سے زائد عمر کی ہو جاتی ہے مگر انھیں کلمہ تک نہیں معلوم ہوتا ہے، نماز پڑھنے کا طریقہ تک نہیں آتا ہے۔ الا ماشاء اللہ

دس وصیتیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی:

(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا۔

(۲) اپنے ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کر اگرچہ تجھے حکم دیں کہ اپنے گھر والوں کو اور مال و دولت کو چھوڑ کر نکل جا۔

(۳) فرض نماز ہرگز قصداً نہ چھوڑ کیوں کہ جس نے قصداً فرض نماز چھوڑ دی اس سے اللہ بریٔ الذمہ ہو گیا۔

(۴) شراب ہرگز مت پی کیوں کہ وہ ہر بے حیائی کی جڑ ہے۔

(۵) گناہ سے بچ کیوں کہ گناہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضی حاصل ہوتی ہے۔

(۶) میدانِ جہاد سے مت بھاگ اگرچہ تیرے دوسرے ساتھی ہلاک ہو جائیں۔

(۷) جب لوگوں میں وبائی موت پھیل جائے اور تو وہاں موجود ہو تو وہاں جم کر رہنا۔

(۸) جن کا خرچ تجھ پر لازم ہے ان پر اپنا مال خرچ کرنا۔

(۹) اپنی اولاد کو ادب سکھانے کے لیے ان سے اپنی لاٹھی ہٹا کر مت رکھنا۔

(۱۰) اپنی اولاد کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرنا۔ (مسند احمد حصہ:۳۶، ص: ۳۹۳)

مذکورہ دس نصیحتوں میں سے اخیر کی تین نصیحتیں اولاد کے تعلق سے ہیں۔ آٹھویں نصیحت خصوصًا اُن والدین کے لیے ہے جو صاحبِ حیثیت ہونے کے باوجود اپنی اولاد کے ضروری اخراجات میں تنگی برتتے ہیں۔ اگر اللہ عزوجل نے مال و دولت عطا فرمائی ہے تو اپنی اولاد پر بقدرِ ضرورت فراخ دلی سے خرچ کرو۔ مثلاً ان کی اچھی تعلیم کا بندوبست کرو،

ان کے لیے اچھے کپڑوں کا انتظام کرو، ان کے رہنے، کھانے اور مطالعے وغیرہ کے لیے بہتر اہتمام کرو۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ کسی بھی معاملے میں فضول خرچی نہ ہو بلکہ اعتدال کی راہ اپناؤ۔ بہت سے والدین اپنے بچوں کی خوشی کے لیے حرام کاموں میں بھی پیسے خرچ کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ مثلاً پورے گھر والے مل کر سنیما دیکھنے نکل جاتے ہیں یا والدین بچوں کی ضد پر ایسے سامان خرید لاتے ہیں جو ان کے اخلاق کے لیے مضر ہیں مثلاً ویڈیو گیم وغیرہ۔ اسلام نے فراخ دلی سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے مگر اعتدال کی راہ اپنائی جائے کہ بقدرِ ضرورت خرچ کیا جائے اور فضول کاموں میں نہ خرچ کیا جائے۔

نویں نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد سے شریعتِ مطہرہ کی پابندی کروانے میں کسی بھی وقت غافل نہ ہوں، انھیں بچپن سے شریعت کی پابندی کا عادی بنائیں، اگر ان کی عادتیں درست نہیں ہیں تو موقع کی مناسبت سے ان کو سزا بھی دیں اور دین کے معاملے میں ان کی کوئی رعایت نہ کریں۔

دسویں نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ محض غصے اور ڈنڈے ہی سے کام نہ چلایا جائے بلکہ اپنی اولاد کی ذہن سازی کی جائے اور دین کے احکام پر عمل کرنے کے فضائل وفوائد اور خوف خدا اس قدر ان کے دلوں میں بٹھا دیا جائے کہ ان کے اندر خود احکامِ خداوندی پر عمل کرنے کی تڑپ پیدا ہو جائے۔

ایک بات خاص طور پر ذہن نشیں کر لیں کہ اپنی اولاد کو بچپن ہی سے شریعتِ مطہرہ کی پابندی کرنا سکھائیں۔ آج ہم نے جو یہ ذہنیت بنا لی ہے کہ ہمارے سامنے ہی ہمارے بچے کوئی غلطی کرتے ہیں اور ہم یہ سوچ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ ابھی بچہ ہے جب سمجھ دار ہوگا تو

خود ہی سیکھ جائے گا، اس ذہنیت کو بدلنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ جب وہ بچہ بچپن سے برے اخلاق کا عادی ہو جائے گا تو سمجھ دار ہونے کے بعد اسے ان بری باتوں سے روکنا بہت مشکل ہو جائے گا۔اس لیے جب بچہ کوئی غلطی کرے تو فوراً اس کی اصلاح کریں۔

اللہ کے برگزیدہ بندے اپنی اولاد کی تربیت اور ان کے اخلاق کو سنوارنے کے تعلق سے ہر لحظہ فکر مند رہتے تھے اسی لیے وہ حضرات ہر موقع پر اپنے بچوں کو مفید نصیحتیں کیا کرتے تھے۔ان کی نصیحتیں جہاں ان کی اولاد کے لیے درّ نایاب کی حیثیت رکھتی ہیں وہیں ہر مسلمان کے لیے ان میں دینی و دنیاوی فوائد موجود ہیں۔ اس لیے ارادہ ہوا کہ قرآنِ مقدس، احادیثِ مبارکہ اور سیَر و تاریخ کی کتابوں میں بعض انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر بزرگوں نے اپنی اولاد اور متعلقین کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں وہ یکجا کر دی جائیں تاکہ جو لوگ اپنے بچوں کی تربیت کو لے کر فکر مند ہیں تو نصیحتوں کے یہ انمول موتی ان کے کام آجائیں۔

کتاب کا مرکزی عنوان حضرت لقمان اور امام غزالی علیہما الرحمہ کی نصیحتیں تھیں تاہم بعض انبیاے کرام کی نصیحتوں کو ضمناً ذکر کر دیا گیا ہے۔اہل علم قارئین سے درخواست ہے کہ کتاب کے مشمولات میں کوئی شرعی خامی محسوس کریں تو ادارے کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اصلاح کی جا سکے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی نصیحتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کے پوتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ہی کا لقب اسرائیل تھا جس کی بنیاد پر آپ کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

ان حضرات نے اپنی اولاد کو جو نصیحت فرمائی تھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۳۲)

ترجمہ: اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمھارے لیے چن لیا تو نہ مرنا مگر مسلمان۔

آپ اندازہ کیجیے کہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پوتے اور عظیم نبی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو جو نصیحت کی وہ دین پر ثابت قدم رہنے کی نصیحت ہے اور اس دین کے تعلق سے فرمایا کہ یہ دین اللہ تبارک وتعالیٰ کا چنیدہ دین ہے۔ جب یہ دین اتنی عظمتوں والا ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اپنے بندوں کے لیے چنا ہے تو بندے کی یہ ذمے داری بنتی ہے کہ اپنے اوپر اس دین کی پیروی لازم کر لے اور ہر حال میں اس دین کی اتباع کو اپنا اولین فریضہ سمجھے۔

اس آیت کا آخری جملہ قابلِ غور ہے کہ ان برگزیدہ شخصیات نے اپنی اولاد سے فرمایا کہ دنیا سے کوچ کرنا تو اسلام کی دولت اپنے دل میں لیے ہوئے کوچ کرنا۔ موت یقینی امر ہے اور کب موت آجائے گی یہ کسی کو خبر نہیں ہے اس لیے سفر آخرت کی ہر حال میں تیاری

رکھنی چاہیے تا کہ جب بھی موت کا وقت قریب آ جائے تو ہمیں حسرت اور ندامت نہ ہو۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلا کہ والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی دین اور اسلام کی نصیحت اور وصیت کریں اس لیے کہ بچے والدین کو اپنا ہادی و رہنما سمجھتے ہیں اور والدین جو راستہ بچوں کو دکھاتے ہیں بچے اسی پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے والدین کی ذمے داری بنتی ہے کہ ابتدا ہی سے بچوں کو اسلام سکھائیں، ان کی دینی تربیت کریں اور ہر حال میں دین پر قائم رہنے کی تاکید کریں۔

دین پر ثابت قدم رہنے والے کی حیثیت اور اس کا مقام و مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کیا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ۝ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ۝ (سورۂ حم السجدۃ، آیت: ۳۰-۳۲)

ترجمہ: بے شک وہ جنھوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا تھا، ہم تمھارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمھارے لیے ہے اس میں جو تمھارا جی چاہے اور تمھارے لیے اس میں جو مانگو، مہمانی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔

حضرتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ استقامت کیا ہے؟ فرمایا: یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: استقامت یہ ہے کہ امر و نہی پر قائم رہے۔ حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

استقامت یہ ہے کہ عمل میں اخلاص پیدا کرے۔ حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: استقامت یہ ہے کہ فرائض ادا کرے۔ استقامت کے معنیٰ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کو بجالائے اور معاصی سے بچے۔ (خزائن العرفان، ذیل آیاتِ مذکورہ)

خوف آئندہ ہونے والے معاملات کا ہوتا ہے اور غم گزشتہ باتوں کا۔ قرآنِ مقدس میں فرما دیا گیا کہ بس تم استقامت اختیار کرلو پھر تمھیں نہ گزشتہ باتوں کا غم ہوگا اور نہ ہی آئندہ ہونے والے معاملات کا خوف ہوگا۔ پھر فرمایا گیا کہ جو شخص استقامت فی الدین اختیار کرلیتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا دوست ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کا دوست اللہ ہوا سے خوف اور غم کیسے لاحق ہوسکتا ہے؟

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: اسلام کے تعلق سے مجھے کوئی ایسی بات بتایئے کہ آپ کے بعد مجھے پھر کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ محسوس ہو۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (ترجمہ: تم کہو: میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اپنے ایمان پر ثابت قدم ہو جاؤ۔) (مشکوٰۃ المصابیح، حصۂ اول، ص: ۱۲)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص محض استقامت فی الدین اختیار کرلے اور صحیح معنوں میں دین پر ثابت قدم ہو جائے تو پھر اسے اور کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی لیے تو حضرتِ ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو نصیحت کی تو دین پر ثابت قدم رہنے کی نصیحت کی۔

حضرت لقمان حکیم کی نصیحتیں

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ حضرت ایوّب علیہ السلام کے بھانجے تھے، آپ بنی اسرائیل میں قاضی تھے۔ آپ نے تقریباً ایک ہزار سال کی زندگی پائی اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے تک باحیات تھے۔ آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی علم حاصل کیا اور ان کے زمانہ میں فتوٰی دینا ترک کر دیا۔ آپ کی نبوت کے تعلق سے اختلاف ہے، اکثر علما کا یہی کہنا ہے کہ آپ حکیم تھے، نبی نہیں تھے۔

حکمت و دانائی میں آپ کا جواب نہ تھا، آپ کے کلام میں بڑی جاذبیت و وسعت تھی، آپ کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ اسرار و رموز سے لبریز ہوتا تھا۔ آپ کے بیٹے کا نام اَنعَم یا اَشکَم تھا جسے آپ نے مفید اور نایاب نصیحتیں فرمائی تھیں، ان نصیحتوں کا قرآنِ مقدس میں تذکرہ موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ چناں چہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ. (سورۂ لقمان، آیت: ۱۲)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی۔

حکمت کسے کہتے ہیں؟

حکمت عقل و فہم کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ حکمت وہ علم ہے جس کے مطابق عمل کیا جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکمت ایسی شے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جس کے دل میں رکھتا ہے اس کے دل کو روشن کر دیتی ہے۔ (خزائن العرفان، ذیلِ آیۂ مذکورہ)

حکمت کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں، مگران میں سب سے جامع اور معقول تعریف ایک بزرگ نے ان الفاظ میں کی ہے: حکمت ایک تیر ہے اور دل ایک شکار ہے، جیسے ہی شکار پر تیر چلے اور شکار ہوجائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کا نشانہ خطا نہیں کھایا اور اس کا تیر بالکل نشانے پر لگا، حکمت اسی کو کہتے ہیں کہ جب کوئی حکیم کوئی جملہ کہے تو وہ دل میں پیوست ہوجائے۔اس کی بات میں اتنی معنویت اور اسرار ہوں کہ انھیں سن کر انسان کے دل کے دریچے کھل جائیں۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو کچھ خاص نصیحتیں فرمائی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان کی چند آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔

قرآن مقدس میں ارشاد ہوا:

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○

ترجمہ: اور یاد کرو جب لقمان (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا، اے میرے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا۔بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔

چند آیتوں کے بعد مذکور ہوا:

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ○ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ○ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا

يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝

(سورۂ لقمان، آیت: ۱۳ اور ۱۶ تا ۱۹)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! برائی اگر رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں ہو اللہ اسے لے آئے گا اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبردار ہے۔ اے میرے بیٹے! نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بُری بات سے منع کر اور جو افتاد و مصیبت تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔ اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر اور زمین میں اِتراتا نہ چل، بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اِتراتا فخر کرتا اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر، بے شک سب آوازوں میں بُری آواز گدھے کی آواز۔

پہلی نصیحت: توحید و شرک سے متعلق

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت شرک سے متعلق فرمائی، اللہ تعالیٰ اسے یوں بیان فرماتا ہے: وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (سورۂ لقمان، آیت: ۱۳)

ترجمہ: اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا، اے میرے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک نہ کر بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت یہ کی کہ اے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا کیوں کہ شرک بڑا ظلم ہے۔

آپ نے شرک کو بہت بڑا ظلم اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ۝

(سورۂ نساء، آیت:۱۱۶)

ترجمہ: اللہ اُسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔

یعنی اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہتا ہے بے توبہ و استغفار بخش دیتا ہے لیکن مشرک جب تک شرک سے توبہ کر کے اسلام میں داخل نہ ہوا سے معاف نہیں کرتا۔

شرک کا مطلب

شرک کا مطلب ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ شرک کی دو قسمیں ہیں: شرکِ جلی اور شرکِ خفی۔ دوسرے الفاظ میں انھیں شرکِ اکبر اور شرکِ اصغر بھی کہہ سکتے ہیں۔ آج کے زمانے میں ایک جماعت بات بات پر مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ لگانے لگی ہے اس لیے شرک کی تعریف سمجھنا ہمارے لیے زیادہ ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہراتا ہے یا اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود مانتا ہے تو یہ شرکِ جلی ہے اور اسی کو شرکِ اکبر کہتے ہیں۔ دکھاوے اور ریاکاری کے لیے کوئی کام کرنا شرکِ خفی اور شرکِ اصغر ہے۔ شرکِ اکبر کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے جب کہ ریاکار گنہ گار ہوتا ہے اور اس کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

کچھ لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ولی کے مزار کو چومے تو وہ اسے مشرک کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قبر کو سجدہ کر رہا ہے یا قبر کو پوج رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ سجدے کے لیے پیشانی، گھٹنوں، پنجوں اور ناک کا زمین سے لگنا ضروری ہے

حالاں کہ اللہ کے جو بندے مزار یا چوکھٹ کو چومتے ہیں وہ صاحبِ مزار کو معبود سمجھ کر ان کی بارگاہ میں سر نہیں جھکاتے۔ وہ لوگ اس عمل کو شرک کا نام دے کر مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں حالاں کہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ کسی بھی طرح شرک نہیں ہے۔ یہ بات بخوبی یاد رہے کہ اگر کوئی شخص شرک نہیں کرتا اور دوسرا اسے مشرک کہتا ہے تو کہنے والا خود اسلام کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔

البتہ کچھ نادان نادانی کی وجہ سے مزاروں کے پاس سجدہ بھی کرنے لگتے ہیں، اسلام میں اسے جائز نہیں رکھا گیا ہے، سجدہ اگر کسی کی تعظیم کے لیے ہو تو حرام ہے اور اگر عبادت کی نیت سے ہو تو بلا شبہہ شرک ہے۔

امامِ اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزارات پر حاضری کے آداب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

جب تم کسی ولی کے آستانے پر جاؤ تو چار قدم کے فاصلے پر کھڑے رہو، کیا وہ بزرگ زمین پر موجود ہوتے تو جس طرح تم اب ان کے مزار پر لپکتے ہو اسی طرح ان پر لپکتے؟ کہاں تمھارے یہ گندے ہاتھ اور کہاں وہ اللہ کے ولی کا مقدّس مزار!

بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں سلام پڑھنے کو شرک کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس طرح تو ہم نماز میں کھڑے ہوتے ہیں اور اس طرح صرف اللہ کے لیے کھڑا ہوا جاتا ہے لہٰذا یہ شرک ہے۔ حالاں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے ہی لوگ جب کوئی منسٹر آتا ہے تو ہاتھ باندھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہاں انھیں شرک نظر نہیں آتا۔ یہ ان لوگوں کی قساوتِ قلبی ہے یا پھر انھوں

نے شرک کی تعریف صحیح طور سے نہیں سمجھی ہے، شرک (اکبر) تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ماننے کا نام ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات قدیم ہیں اسی طرح کسی دوسرے کے لیے ذات یا کسی صفت کو قدیم ماننا۔

امامِ اہلِ سنت کا عقیدہ

بعض لوگ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی تعریف کی ہے کہ انھیں اللہ سے ملا دیا ہے، یہ محض الزام تراشی ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنا عقیدہ تو چند مصرعوں میں یوں بیان کر دیا ہے:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے خود فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی عطا سے مخلوق کے مولا اوران کی فریاد سننے والے بھی ہیں۔ مخلوق کی اسی فریاد رسی کی طرف تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس کی آیتوں میں اشارہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥ (سورۂ توبہ، آیت:۱۲۸)

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمھارا مشقّت میں پڑنا گراں ہے تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمالِ

مہربان مہربان۔

دوسری جگہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۂ انبیا، آیت:۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوق پر رحمت اور ان کی تکلیفیں دور کرنے ہی کے لیے تشریف لائے تھے۔ جانور بھی نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں اپنی فریادیں لے کر حاضر ہوا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، اتنے میں ایک اونٹ بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدمانِ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اٹھایا، پھر آپ نے اپنے کانوں کو اس کے قریب کیا، اس نے آپ سے کچھ باتیں عرض کیں، پھر آپ نے اونٹ کے مالک کو طلب کیا اور فرمایا: اونٹ پر ظلم نہ کرو، یہ تمھاری شکایت کر رہا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہ منظر ملاحظہ کیا تو عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! یہ جانور ہوکر آپ کو سجدہ کر رہا ہے، ہم تو انسان ہیں لہٰذا ہم کو آپ سجدہ کرنے کے اس سے زیادہ مستحق ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ (مشکوۃ شریف)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مخلوق کے فریادرس اور ان کی مدد فرمانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی قوت عطا فرمائی ہے کہ اگر کوئی آپ کو پکارے تو سن کر آپ اس کی فریادرسی کو پہنچیں۔

شرک بڑا ظلم کیوں؟

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت یہ کی کہ شرک نہ کرو کیوں کہ یہ بڑا ظلم ہے، اس میں ایک بات غور طلب ہے کہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اِنَّ الشِّرْکَ لَاِثْمٌ عَظِیْمٌ نہیں فرمایا کہ شرک بڑا گناہ ہے، بلکہ شرک کو بڑا ظلم بتایا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، وہی روزی دینے والا اور پالنے والا ہے، موت و حیات اسی کی طرف سے ہے، تمام چیزیں اسی کے قبضے میں ہیں اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔ جب تمام چیزیں اسی کے قبضے میں ہیں اور کوئی اس کا ہمسر نہیں تو بندے کا اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود ماننا یا اس کی ذات وصفات میں کسی اور کو شریک کرنا یقیناً بڑا ظلم ہے۔

پھر یہ ظلم بھی اپنے آپ پر ہے؟ انسان کے گناہ کرنے کو قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر خود اپنے آپ پر ظلم کرنے سے تعبیر کیا ہے، ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥ (سورۂ نسا، آیت:۱۱۰)

ترجمہ: اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

سب سے بڑا گناہ شرک ہے لہٰذا یہ سب سے بڑا ظلم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے اور اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، کوئی کتنا ہی بڑا گنہگار ہو اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کر لے تو مولا اسے معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت دِحیہ کلبی ایک بڑے ہی خوبرو صحابی گزرے ہیں، ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا عجیب ہے، ان کے ماتحت تقریباً سات سو افراد تھے، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود

یہ آرزو رکھتے تھے کہ وہ ایمان لائیں کیوں کہ اگر وہ اسلام قبول کرلیں گے تو ان کے ماتحت وہ سات سو افراد بھی داخلِ اسلام ہوجائیں گے۔ایک صبح سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں کہ رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ آج صبح فجر کے بعد دحیہ کلبی آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔صبح ہوئی تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دحیہ کلبی تشریف لارہے ہیں، آپ نے کھڑے ہوکر اپنی چادرِ مبارک ان کے لیے بچھادی، دحیہ کلبی نے آتے ہی چادرِ مبارک اٹھائی اور سینے سے لگالی اور عرض کی: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) یہ چادر اس لائق نہیں کہ میں اس پر بیٹھوں بلکہ یہ تو اس لائق ہے کہ میں اسے اپنے سینے سے لگاؤں۔پھر انھوں نے عرض کی: میں نے بہت گناہ کیے ہیں، کیا اسلام قبول کرلینے سے اللہ تعالیٰ میرے سارے گناہ معاف فرمادے گا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب دینے سے قبل جبریل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: رب تعالیٰ نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ دحیہ کلبی سے کہہ دیں کہ وہ داخلِ اسلام ہوجائیں اللہ تعالیٰ ان کے تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں یہ بشارت سنائی اور وہ داخلِ اسلام ہوگئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود رونے لگے۔عرض کی گئی: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ کیوں رورہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: دحیہ کلبی نے گناہ کرنے کے بعد صرف ایک مرتبہ دل سے توبہ کی تو رب تعالیٰ نے تمام گناہوں کو بخش دیا، میرا وہ امتی جو پیدائش سے لے کر موت تک ایمان پر قائم رہے اللہ تعالیٰ اس کی بھی بخشش فرمادے گا۔اللہ تعالیٰ کی اس بخشش اور عطا پر خوش ہوکر میں رورہا ہوں۔

ریا کاری شرکِ اصغر ہے

یہ تو شرکِ اکبر یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھہرانے کا معاملہ تھا شرکِ اصغر (ریا کاری اور دکھاوے) سے متعلق نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گریہ وزاری کا ایک اور واقعہ مشکوۃ شریف میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گریہ وزاری فرما رہے تھے، آپ سے گریہ وزاری کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا: میری امت کا شرکِ اصغر میں مبتلا ہونا مجھے رلا رہا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم)! آپ کی امت اور شرک؟ فرمایا: بروزِ قیامت میری امت کے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جنھوں نے بے شمار نمازیں ادا کی ہوں گی، روزے رکھے ہوں گے، تلاوت بھی کی ہوگی، بے شمار نیک عمل کیے ہوں گے، لیکن جب کل قیامت کے دن رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو ان کی عبادت کا انھیں کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ ان کا دامن نیکیوں سے خالی ہو جائے گا۔ عرض کی گئی کہ حضور! یہ کیسے؟ فرمایا: انھوں نے نماز تو پڑھی ہوگی لیکن اس نیت سے کہ دنیا انھیں نمازی کہے، روزے بھی رکھے ہوں گے لیکن اس لیے تاکہ دنیا انھیں صائم (روزے دار) کہے۔ یوں ہی انھوں نے زکوٰۃ وحج کے فرائض تو ادا کیے ہوں گے لیکن اس لیے کہ لوگ ان کی تعریف کریں، لہٰذا جس مقصد کے لیے انھوں نے عبادت کی تھی وہ انھیں دنیا میں حاصل ہو گیا، آخرت میں ان کے نامۂ اعمال نیکیوں سے خالی ہوں گے۔ اسی بات پر مجھے رونا آرہا ہے۔

ایک باپ کا یہ فریضہ ہے کہ جس طرح حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی ان کے اس طریقے کو اپناتے ہوئے وہ اپنے بچّے کو شرک اور اس کے اقسام

بتائے، اس کی نحوست سے آگاہ کرے اور اس سے بچنے کے راستے بتائے۔

ایک عبرتناک واقعہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کشف القبور (قبر کے حالات کا علم) عطا فرمایا تھا، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مکۂ مکرّمہ میں جنّت المعلّٰی میں تشریف لے گئے، آپ نے سوچا کہ یہاں مدفون مردوں کے حالات اپنے کشف سے معلوم کریں۔ آپ نے کشف فرمایا، آپ کو ایک گروہ نظر آیا جن کے سروں پر تاج تھے اور ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔ انھیں کے قریب ایک ایسا بندہ بھی تھا جس کے چہرے پر افسردگی اور اضطراب کے آثار چھائے ہوئے تھے۔ آپ نے ان چمکتے چہرے والوں سے ان کے چہرے کے نور اور تاج کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے بچّوں کو نیکیوں کی تعلیم دی تھی، اب وہ زمین پر نماز پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر میں اپنی زندگی گزارتے ہیں، حرام سے اجتناب کرتے ہیں اور حلال روزی تلاش کرتے ہیں۔ ان کے انھی اعمال کی بنیاد پر رب تعالیٰ نے ہمیں قبر میں راحت اور نور عطا فرمایا ہے۔

پھر آپ نے اس افسردہ شخص سے حزن و ملال کا سبب دریافت کیا، وہ کہنے لگا کہ میری عمر پچاس سال ہو چکی تھی، میرے یہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ خانۂ کعبہ کی دہلیز پر اپنا سر رگڑ کر میں نے دعا کی اے رب! مجھے ایک بیٹا عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور مجھے ایک بیٹا عطا فرمایا، اللہ نے مجھے بڑھاپے میں اولاد عطا کی تھی، مجھے اس سے بڑا پیار تھا، میں نے اس کی پرورش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اس کی ہر خواہش کو پورا کیا، اسے ناز و نعم میں پال کر

جوانی کی عمر تک پہنچایا، جوانی میں بھی اس کی تمام آرزوؤں کی تکمیل کی، لیکن اس میں کچھ بری عادتیں بھی آ گئیں تھیں، میں نے اسے بہت تنبیہ کی، اسی درمیان میرا انتقال ہو گیا، میں نے بکثرت مال جمع کیا تھا، اب حال یہ ہے کہ جو مال میں نے زمین پر چھوڑا تھا میرا بیٹا اس سے شراب پیتا ہے اور دیگر برائیاں کرتا ہے۔ چوں کہ دولت میری تھی اور میرا بیٹا غلط کاموں میں اسے استعمال کر رہا ہے، اس کے اس کام کی وجہ سے مجھے قبر میں یہ تکلیف پہنچ رہی ہے۔

جب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ سنا تو آپ کو بڑا افسوس ہوا، آپ ولایت کے اونچے مقام پر فائز تھے، ان کے بیٹے کا پتہ دریافت کیا، پتہ معلوم کرکے آپ بیٹے کے پاس تشریف لائے، اسے نصیحت کی اور فرمایا: جس باپ نے تمھیں پانے کے لیے بڑھاپے کے عالم میں رب سے عاجزی وانکساری کے ساتھ دعا مانگی اور تمھاری پرورش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی وہی اب تمھارے برے اعمال کی وجہ سے قبر کی سختیاں برداشت کر رہا ہے پھر آپ نے اس انداز میں اسے نصیحت کی کہ وہ آپ کے دستِ مبارک پر تائب ہو گیا اور خانۂ کعبہ کے سامنے چالیس دنوں کے اندر قرآن ختم کرکے اپنے باپ کو ایصالِ ثواب کیا۔ کچھ دنوں کے بعد جب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے باپ کو پھر دیکھا تو ان کے چہرے پر نور اور سر پر تاج نظر آیا۔ آپ کے دریافت کرنے پر انھوں نے کہا: اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ کی نصیحتیں کام آ گئیں اور میرا بیٹا درست راہ پر آ گیا، اس کے قرآن کی تلاوت کی وجہ سے مجھے یہ فائدہ پہنچا ہے۔

دوسری نصیحت: برائی سے اجتناب

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو دوسری نصیحت گناہوں سے اجتناب سے متعلق کی جسے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ٥

(سورۂ لقمان، آیت:۱۶)

ترجمہ: اے میرے بیٹے! برائی اگر رائی کے دانے برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین میں کہیں ہو، اللہ اسے لے آئے گا۔ بے شک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبردار ہے۔

ایک باپ اپنے بیٹے کو کس طرح اللہ کا خوف دلائے، اسے کس طرح گناہوں سے بچنے کی ترغیب دے اور اس کے دل میں گناہوں سے نفرت کیسے پیدا کرے، یہ آیت ان باتوں کو بخوبی اجاگر کرتی ہے۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں: پتھروں، پہاڑوں، آسمانوں اور زمینوں میں جہاں کہیں بھی تو رائی کے دانے کے برابر گناہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اور وہ اسے تجھ پر پیش کرے گا۔ یعنی تو کہیں بھی چھپ کر گناہ نہیں کرسکتا لیکن اگر بالفرض تو کسی غار میں جا کر رائی کے دانے کے برابر گناہ کرے جہاں دنیا کا کوئی شخص تجھے نہ دیکھ رہا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بچ سکتا اس لیے کہ وہ تیرے اعمال سے باخبر ہے۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہم اپنے والدین، سرپرست، رشتے دار وغیرہ سے بچ کر گناہ کرتے ہیں وہ لوگ بڑے دھوکے میں ہیں۔ ان کا یہ سوچنا ان کی غلطی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ دلوں کے حالات سے بھی باخبر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ.

(ترجمہ: بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے۔) (سورۂ ق، آیت:۱۶)

برائی انسان کو کمزور کر دیتی ہے

برائی انسان کو کمزور کر کے اس کو تباہی کے دہانے تک پہنچا دیتی ہے۔ جب کوئی انسان گناہوں کا ارتکاب کر کے برائیوں کے دلدل میں پھنس جاتا ہے تو اس کے دل سے اطمینان کی دولت نکل جاتی ہے اور اسے سکون نہیں ملتا۔ اس کے برعکس اگر کوئی انسان رائی کے دانے کے برابر نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر سکینہ نازل فرماتا ہے اور اسے سکون کی دولت عطا کرتا ہے۔

آج دنیا میں ہر کسی کی زبان پر یہ الفاظ ہیں کہ ہمیں سکون نہیں ملتا ہے، ہم سکون کے متلاشی ہیں اور لوگ سکون کو پانے کے لیے بڑی جد و جہد کرتے ہیں، کچھ مال و زر کے حصول کی کوشش کرتے ہیں، کچھ لوگ مختلف مقامات کے سفر کرتے ہیں، کچھ لوگ بڑے رتبے کے طالب ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے سکون نہ مال و زر میں رکھا ہے نہ جاہ و حشم میں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے سکون نیکیوں میں رکھا ہے۔

عالمی اضطراب

آج عالمی سطح پر نظر دوڑانے کے بعد یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ مذہبِ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا مذہب نہیں ہے جس میں اضطراب نہ ہو اور سکون کی دولت پائی جاتی ہو۔ آج بھی کئی مسجدیں ایسی ہیں جو نمازیوں سے بھری ہوتی ہیں، لوگ عبادت کی طرف مائل ہیں، اسی وجہ سے غیروں نے بے شمار منصوبوں کے ساتھ ایک منصوبہ یہ بھی بنایا ہے کہ جس طرح مسلمانوں کے عبادت خانوں کے علاوہ دیگر عبادت خانے ویران ہوتے

جارہے ہیں اسی طرح مسجدوں کو بھی ویران کیا جائے۔

اس منصوبے کی جھلکیاں ان مسلم نوجوانوں میں کافی نظر آنے لگی ہیں جنھوں نے مغربی تہذیب کو اپنا لیا ہے، کچھ لوگ جو بڑے منصب پر فائز ہوتے ہیں، کچھ بڑی تعلیم حاصل کر لیتے ہیں انھیں عبادتوں میں لذّت نہیں ملتی اور وہ اسے ایک فرسودہ نظام تصوّر کرتے ہیں۔

ان کا منصوبہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو دنیوی تعلیم کی طرف اس طرح مائل کر دیں کہ وہ شب و روز اپنی عقل کی توانائی ان مادّی اشیا میں صرف کریں، پھر ایک وقت وہ آئے کہ آہستہ آہستہ مسلمان مسجدوں سے دور ہو جائیں اور جس طرح چرچ اور دیگر عبادت گاہیں ویران نظر آتیں ہیں اسی طرح مساجد بھی نمازیوں سے ویران ہو جائیں۔لیکن اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے کہ اس نے سکون کی دولت اپنے ذکر و فکر اور یاد میں رکھی ہے۔انسان جب ہر طرف سے تھک جائے اور سکون کی دولت تلاش نہ کر سکے تو رب فرماتا ہے کہیں اور مت جاؤ بلکہ میرے ذکر میں لگ جاؤ: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۝ (سورۂ رعد، آیت: ۲۸)

ترجمہ: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

مغربی ممالک کا حال

مغربی ممالک میں جب خوفِ خدا سے متعلق کوئی بات کہی جاتی ہے تو بیشتر لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کے سیلاب جاری ہو جاتے ہیں جب کہ یہ منظر ہندوستان میں بہت کم نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں گناہوں کی کثرت ہے، وہاں مساجد میں لوگوں کی بڑی قلت ہے جب کہ ہندوستان میں ایسا نہیں ہے، یہاں عبادتوں کی طرف رغبت، تلاوتِ قرآن اور علما کا احترام اب بھی موجود ہے۔اسی لیے یہاں کی بنسبت وہاں کے لوگوں میں بڑی تشنگی پائی جاتی ہے۔جس طرح دوڑ کے میدان میں دوڑنے والے کو بڑی پیاس لگتی ہے،

اسی طرح وہاں کے لوگ گناہوں میں اتنے آگے بڑھ چکے ہیں کہ ان کی روح پیاسی ہے۔ جب اسلامی تعلیمات کے چند قطرات ان کی حلق میں ڈالے جاتے ہیں تو بے ساختہ ان کی آنکھوں سے آنسوں نکلنے لگتے ہیں۔

یہ بات بخوبی ذہن میں رہے کہ اسلام نے دنیوی تعلیم حاصل کرنے کو برا نہیں قرار دیا، لیکن اس کے لیے اپنے مذہب سے دور ہو جانا اور قرآن کے عطا کردہ عقائد کے برخلاف عقائد اپنا لینا یقیناً غلط اور ناجائز ہے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سنّتِ رسول کی ادائیگی کو عار سمجھتے ہیں، ان کے چہروں پر داڑھیاں نظر نہیں آتیں، اسی لیے ہماری تحریک سنّی دعوتِ اسلامی یہ چاہتی ہے کہ ہمارے بچے دین کی تعلیم بھی حاصل کریں اور اسی کے ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم بھی حاصل کریں تاکہ دنیا دیکھے کہ ایک شخص دین کو اپنانے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ سائنس داں بھی بن سکتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی سائنس داں نہیں ہے۔ جب آپ سے بڑھ کر کوئی سائنس داں نہیں تو یقین جانیے کہ آپ کی سنّتوں پر عمل کرنے سے کوئی سائنس داں چھوٹا نہیں ہوگا بلکہ اس کا رتبہ بلند جائے گا۔

آسمانوں اور زمینوں کا ذکر کیوں؟

یہاں پر ایک پر لطف بات یہ ہے کہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو آسمانوں اور زمینوں میں برائی کرنے سے اس زمانے میں روکا تھا جب ان جگہوں پر جانے کا کوئی تصوّر نہ تھا، نہ زمین کھود کر تحقیقات کا تصوّر تھا اور نہ ہی آسمانوں میں خلائی سفر کا کوئی تصوّر تھا لیکن پھر بھی آپ نے اس طرح فرمایا کیوں کہ آپ کی نگاہیں آنے والے زمانے کا مشاہدہ کر رہی تھیں لہٰذا آپ نے اپنے اس کلام سے اس بات کی جانب اشارہ دیا کہ اگر کوئی چاند کا

سفر کرے یا زمینوں کے نیچے تحقیقات کرے تو وہاں بھی یہ نہ سوچے کہ میں لوگوں سے چھپ کر گناہ کرلوں گا کیوں کہ خدا وہاں بھی دیکھ رہا ہے۔

لٰہذا جو لوگ اپنے بچّوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا میں آگے بڑھانا چاہتے ہیں انھیں چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے بچوں کے دلوں میں گناہوں سے نفرت پیدا کریں۔

برائی سے انسان کی عقل زائل ہوتی ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برائی سے دل سیاہ ہوتا ہے، یہاں یہ بات توجہ کے لائق ہے کہ ہم گناہ تو ہاتھ، پیر، زبان، آنکھ وغیرہ سے کرتے ہیں تو پھر سیاہ دل کیوں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا ظاہر کو دیکھتی ہے لیکن رب باطن کو دیکھتا ہے۔ ایک انسان بڑا خوبصورت ہے، اس نے اچھے لباس پہنے ہیں، راستے سے گزر رہا ہے، لوگ اسے دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ کتنا پیارا لگ رہا ہے، ہر کسی کی نگاہیں اس کی طرف اٹھتی ہیں، دنیا کا یہ حال ہے کہ اگر کسی کا رنگ اور لباس اچھا ہے تو دنیا کی نظریں اس کی طرف اٹھتی ہیں لیکن کسی کا دل صاف ہو تو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ عنایت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلّیات اترتے ہیں۔ پھر اس کا دل اس طرح روشن ہو جاتا ہے کہ اسے ہر چیز کی اصل اور ماہیت سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ اسی مقام پر پہنچنے والے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِتَّقُوْا بِفِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی. (ترمذی شریف، حصہ ۵ ص ۸۹)

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

سب سے پہلے برائی سے بچنے کا حکم کیوں دیا؟

یہاں یہ بات بھی نہایت قابلِ توجہ ہے کہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کا حکم بعد میں دیا پہلے برائی سے رکنے کا حکم دیا۔ وجہ یہ ہے کہ جب انسان برائی کے دلدل میں پھنس

جائے گا تو وہ اس کی عقل کو ناکارہ بنادے گی، پھر نہ اسے نماز میں لطف محسوس ہوگا اور نہ ہی کسی اور عبادت میں کوئی ذوق وشوق ہوگا۔ گناہ دل پر زنگ لگا دیتا ہے پھر جس طرح زنگ کھانے کے بعد لوہا تباہ ہوجاتا ہے اسی طرح گناہوں سے آلودہ ہوکر دل تباہ ہوجاتا ہے اسی لیے حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی پابندی کی نصیحت کرنے سے پہلے گناہوں سے بچنے کی نصیحت فرمائی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فطری طور پر نیکی کرنا آسان ہے لیکن گناہ سے بچنا مشکل ہے لہٰذا پہلے مشکل کام کی نصیحت اور تاکید فرمائی اس لیے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ درکار ہے، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نیکیوں کو نیکی ہر کوئی تصور کرتا ہے لیکن برائیوں کو برا تصور کرنے والوں کی تعداد کم ہے اس لیے اس جانب خصوصی توجہ دلائی گئی، حدیثِ پاک میں بھی فرمایا گیا:

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُّنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِیمَانِ.

(صحیح مسلم، حصہ اول، ص:٦٩)

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے روکے، اگر ایسا نہ ہوسکے تو زبان سے روکے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم دل سے برا جانے لیکن یہ ایمان کا انتہائی کمزور درجہ ہے۔

دل سے برا جاننے میں حکمت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کم از کم دل سے برا جانو، دل سے برا جاننے کا فائدہ کا کیا ملے گا اسے اس مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص راستے سے جارہا ہے اور سامنے سے ایک ایسا شخص آرہا ہے جسے یہ پسند نہیں کرتا تو یہ شخص اس سے اپنا منہ پھیر لے گا، بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص برائی کو دیکھ کر ہاتھ اور زبان سے روکنے کی طاقت نہیں

رکھتا ہے توکم ازکم دل سے براجانے، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ کم ازکم یہ اپنے آپ کواس برائی کے ارتکاب سے ضرور محفوظ رکھے گا۔ اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ کیا آج ہم میں یہ کیفیت ہے کہ ہم برائی کو دیکھ کر دل سے براجانیں؟ جس ایمان کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے کمزور ایمان قرار دیا ہے کیا ہم اس ایمان کے بھی متحمّل ہیں؟ اسی لیے حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کے دل میں شروع ہی سے گناہوں سے نفرت پیدا کرنے کی نصیحت کی کہ تم جہاں کہیں گناہ کروگے اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اوراسے تم پر پیش کرے گا۔ اور جب وہ پیش کرے گا توحسرت اورندامت ہی ہوگی اور بے ساختہ زبان پکار اٹھے گی:

مَا لِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا.

(ترجمہ: ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو۔) (سورۂ کہف، آیت:۴۹)

لہٰذا ہماری ذمے داری ہے کہ ہم اپنے بچّوں کے دلوں میں سب سے پہلے برائی سے نفرت پیدا کریں۔ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنی تعلیمی سفر کے لیے روانہ ہورہے تھے تو آپ کی والدۂ ماجدہ نے سب سے پہلے یہی کام کیا تھا، انھوں نے آپ کو نصیحت کی تھی کہ بیٹا جھوٹ سے ہمیشہ اپنی زبان کو محفوظ رکھنا ہے۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور اس کا اچھا نتیجہ کیا ہوا وہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔

باپ کی ذمے داری

ایک باپ کی ذمّے داری صرف یہ نہیں ہے کہ بچّہ جو کچھ کہے اس کی تمام جائز ناجائز خواہشات کو پورا کرے اور اسے اسی طرح آوارہ چھوڑ دے بلکہ اس کی پہلی ذمے داری یہ ہے کہ اس کے دل میں گناہوں کی نفرت ڈالے، بالفرض اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے

لیے مال و دولت جمع نہ کرے لیکن اس کے دل میں برائیوں سے نفرت پیدا کرے تو یہ ضرور اس کی کامیابی کے لیے کافی ہوگا کیوں کہ نیکی کرنے کے بدلے تو ایک جنت ملتی ہے لیکن برائی سے بچنے کے بدلے اللہ تعالیٰ دو جنتیں عطا فرماتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ (سورۂ رحمٰن، آیت: ۴۶)

اس آیت میں صاف فرما دیا گیا کہ محض خوفِ خدا کی بنیاد پر گناہوں سے باز آجانا اللہ کے نزدیک اتنا پسندیدہ عمل ہے کہ اس عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ دو جنتیں عطا فرمائے گا اور وہ جنتیں بھی کیسی ہوں گی یہ بھی ملاحظہ کیجیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٥٩

(ترجمہ:) بہت سی ڈالوں والیاں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے؟ ان میں دو چشمے بہتے ہیں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے؟ ان میں ہر میوہ دو دو قسم کا، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ایسے بچھونوں پر تکیہ لگائے جن کا اَستر قنادیز کا اور دونوں کے میوے اتنے جھکے ہوئے کہ نیچے سے چُن لو، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے؟ ان

بچھونوں پر وہ عورتیں ہیں کہ شوہر کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں، ان سے پہلے انھیں نہ چھوا کسی آدمی اور نہ جن نے، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے؟ گویا وہ لعل اور مونگا ہیں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے؟ (سورۂ رحمٰن، آیت: ۴۸-۵۹)

حضور نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ایک شخص ایسا ہے جو نیکی بھی بہت کرتا ہے اور گناہ بھی بہت کرتا ہے اور ایک شخص ایسا ہے جو نیکی کم کرتا ہے لیکن گناہوں سے بچتا ہے ان دونوں میں افضل کون ہے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نیکی کم کرتا ہے لیکن گناہوں سے بچتا ہے وہ اس شخص سے افضل ہے جو نیکی اور گناہ دونوں کرتا ہے۔

اس لیے کہ مریض اگر دوا کا استعمال نہ کرے بلکہ صرف پرہیز کرے تو بھی اسے فائدہ ضرور پہنچے گا اور اگر دوا کا استعمال تو کرے لیکن پرہیز نہ کرے تو اس کے لیے دوا کچھ فائدے کی نہیں ہوگی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چند ایسے خوش نصیب لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوں گے، انھیں میں اس شخص کا بھی ذکر کیا ہے جسے کسی خوبصورت عورت نے گناہ کی دعوت دی ہو لیکن وہ انکار کرے اور کہے کہ **اِنِّیۡ اَخَافُ اللّٰہَ تَعَالٰی** یعنی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

رائی کے دانے کے برابر

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو رائی دانے کے برابر بھی گناہ کرنے سے منع کیا، اس میں جو حکمت ہے اسے ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص اچھا لباس پہن کر راستے سے گزر رہا ہو، بارش کا موسم ہو اور وہ پوری کوشش کر رہا ہو کہ

اپنے لباس کو کیچڑ سے بچائے، اتنے میں کسی نے پیچھے سے آواز دی کہ آپ کا دامن تو پیچھے کی طرف سے کیچڑ سے آلودہ ہو چکا ہے، اب یہ شخص اپنے کپڑوں کی حفاظت نہیں کرے گا اور سوچے گا کہ جب اتنا گندہ ہو چکا ہے تو تھوڑا اور گندہ ہو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح جس شخص کا دامن تھوڑا بھی گناہوں سے آلودہ ہو وہ یہ سوچے گا کہ تھوڑے اور گناہ ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔اسی لیے رائی کے دانے برابر یعنی معمولی گناہ سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا۔

یَأْتِ بِهَا اللّٰهُ کا مطلب

اس جگہ ایک اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یہاں یَأْتِ بِهَا اللّٰهُ فرمایا گیا یعنی اللہ اسے لائے گا اور یہ نہیں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا تمھیں دے گا، کیوں کہ یہاں محاسبے کی طرف توجّہ کرانا مقصود ہے جو بڑے ہی سخت انداز میں کیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ.

ترجمہ: آج ہم ان کے مونہوں پر مُہر کر دیں گے۔

یعنی محاسبہ اس طرح کیا جائے گا کہ بہانے کا کوئی امکان ہی نہ ہوگا کہ انسان جھوٹا عذر پیش کرے۔ پھر جب ان کے منہ پر تالے لگا دیے جائیں تو ان کے اعمال کی گواہی کون دے گا؟ خود اللہ تعالیٰ ہی ارشاد فرماتا ہے:

وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○

ترجمہ: اوران کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اوران کے پاؤں ان کے کیے کی گواہی دیں گے۔ (سورۂ یٰسٓ ،آیت:۶۵)

یعنی حساب وکتاب کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کے ہاتھوں، پیروں،

آنکھوں، کانوں اور دیگر اعضا کو اتنی قوت دے گا کہ وہ خود ہی ان کے کیے ہوئے کی گواہی دیں گے، اگر انھوں نے اچھا کام کیا ہوگا تو ان کے اعضا ان کے اچھے کاموں کی گواہی دیں اور اگر برا کام کیا ہوگا تو ان کے اعضا برے کاموں سے متعلق گواہی دیں گے۔ یہی یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ (اللہ اسے لائے گا) کا مطلب ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنے اعضا کو اچھے کاموں میں استعمال کریں تاکہ وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری اچھائیوں کی گواہی دیں۔

تیسری نصیحت: اقامتِ نماز

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند کو تیسری نصیحت نماز قائم رکھنے کے تعلق سے فرمائی۔ یہ نصیحت بڑی اہم ہے۔

قرآنِ کریم میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز قائم رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بُری بات سے منع کر اور جو اُفتاد (مصیبت) تجھ پر پڑے اس پر صبر کر بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

پہلے گناہوں سے بچنے کی نصیحت کی گئی پھر نماز قائم کرنے کے لیے کہا گیا، اس کی وجہ یہ ہے انسان گناہوں سے تو رک گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے جو اعضا دیے ان کا استعمال کس طرح کرے؟ اس کا بیان اس آیت میں ہے یعنی گناہوں سے بچے اور جو اعضا اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیے ہیں ان سے رب تعالیٰ کی عبادت کرے۔

اس آیت میں فرمایا گیا کہ نماز قائم کرو، یہ نہیں فرمایا گیا کہ نماز پڑھو۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ نماز کو اس کے تمام ظاہری و باطنی تقاضوں کے ساتھ

احکامِ شرعیہ کو بجالاتے ہوئے ادا کرو۔

صوفیاے کرام نے اس کی بڑی پیاری تشریح کی ہے،فرماتے ہیں کہ اقامتِ صلاۃ کا مطلب یہ ہے کہ انسان نماز کے مقصد یعنی اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ (ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔) کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے نماز پڑھے یعنی نماز پڑھنے کے بعد اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔

ہر مصیبت کا حل

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کو ہر مصیبت کا علاج قرار دیا ہے۔خود احادیث میں موجود ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز کا اہتمام فرماتے تھے۔

ہمارا حال اس کے برخلاف ہے،ہمیں جب بھی کوئی حاجت وضرورت پیش آتی ہے تو ہم لوگوں کے دروازوں پر جاکر اپنی حاجتیں بیان کرتے ہیں،ان سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر نماز نہیں ادا کرتے۔ہمیں سوچنا چاہیے کہ بالفرض اگر ہم نے کسی سے کچھ مانگا تو ہوسکتا ہے اس کے پاس اتنی رقم نہ ہو،ہم نے دوسرے کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن اس کے پاس بھی اتنی رقم نہ ہو،لیکن اگر ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آکر دو رکعت نمازِ حاجت ادا کریں تو اللہ تعالیٰ خود ہی حاجت برآری کا انتظام فرمادے گا اور خود ہی اپنے بندوں کے دل میں یہ بات ڈال دے گا کہ وہ ہماری حاجت پوری کردیں۔لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر نماز ادا کریں پھر دعا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ.

ترجمہ: نماز جنت کی کنجی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح،حصہ اول،ص:۹۷)

ہمیں سوچنا چاہیے کہ جو نماز جنت کے دروازوں کو کھول سکتی ہے اور ہمیں اللہ کی رضا کا مستحق بنا سکتی ہے کیا وہ ہم پر رزق کے دروازے نہیں کھول سکتی؟

اولیا کا در بڑا مقدّس ہے، اگر کوئی ان کے در پر جا کر اپنی حاجت پیش کرے تو وہ بعطاے الٰہی اسے پوری کرتے ہیں، لیکن کچھ لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نمازوں کو ترک کر کے اولیا کے آستانوں پر حاضری دیتے ہیں، یہ ان کے دربار کی توہین ہے۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہل سنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اگر کوئی کسی ولی کے آستانے پر جانا چاہے تو پہلے صدقہ دے کر یا دو رکعت نماز پڑھ کر صاحبِ مزار کو ایصالِ ثواب کرے۔

اللہ کے قرب کا ذریعہ

لوگ دنیا کے حکمرانوں اور منسٹروں سے قریب ہونے کے لیے بڑی جدوجہد کرتے ہیں اور سرمایہ بھی خرچ کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ مصیبت کے وقت کام نہیں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے قرب کے لیے صرف ایک ذریعہ بتاتا ہے کہ بندہ اپنے وجود کو اس کی بارگاہ میں جھکا دے، اسے اس کا قرب حاصل ہو جائے گا۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جو مال داروں سے قرب حاصل کرنے کے لیے تو وقت نکال لیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی بات آتی ہے تو تنگیِ وقت کا بہانہ بنانے لگتے ہیں۔

اسی لیے حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ.

(ترجمہ: اے میرے بیٹے! نماز قائم کر) کیوں کہ اگر تو نماز قائم کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جائے گا اور اس کی رحمتیں تیرے قریب ہو جائیں گی۔

چوتھی نصیحت: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

پھر حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ۔

(ترجمہ: اچھی باتوں کا حکم دو۔)

قرآن کریم نے یہاں بھی ترتیب بڑی پیاری رکھی، سب سے پہلے اپنے دامن کو گناہوں سے بچانے کے لیے کہا گیا، اس لیے کہ جب ہم اپنے دامن کو گناہوں سے بچائیں گے تو نیکیوں کی طرف رغبت کریں گے، پھر جب نیکیوں میں رغبت ہوگی اور نماز قائم کریں گے تو دوسروں کو بھی نیکیوں کی طرف بلائیں گے۔ ہمارا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے ہم اپنے اندر برائیوں سے نفرت پیدا نہیں کرتے اور نہ ہی خود نیکیوں کا اہتمام کرتے ہیں لیکن دوسروں کو اس کا حکم دیتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

(ترجمہ: برائیوں سے روکو۔)

یعنی تمھیں صرف نیکیوں کا حکم ہی نہیں دینا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ برائیوں سے روکنا بھی تمھاری ذمے داری ہے، تم جہاں کہیں برائی کو دیکھو اسے روکنے کے لیے جدوجہد کرو، پندونصائح کے ذریعے اس سے لوگوں کو منع کرو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ

قرآن کریم خود برائی سے روکنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ.

(سورۂ نحل، آیت: ۱۲۵)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکّی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔

سب سے پہلے یہ کہا گیا کہ حکمت کے ساتھ دعوت کا کام کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے مخاطب جس حیثیت کے مالک ہیں انھیں اسی انداز سے دین کی طرف بلاؤ۔ اگر تعلیم یافتہ طبقے میں دعوت وتبلیغ کا کام کرنا ہے تو گفتگو کا انداز الگ ہوگا اور اگر ناخواندہ طبقے کو اپنی دعوت کا مخاطب بنانا ہے تو لب ولہجہ بالکل آسان ہوگا۔

حکمت کے بعد جب موعظت یعنی وعظ ونصیحت کا حکم دیا گیا تو وہاں اَلْحَسَنَةِ کی زیادتی کی گئی یعنی اچھے اور نرم انداز سے نصیحت کریں، اس لیے کہ جب ہم لوگوں کو اچھا بنانے کے لیے نکلیں گے تو اس کے لیے ہمیں اچھی نصیحتوں اور نرم گفتار کو اپنانا ضروری ہوگا۔ لیکن ممکن ہے کہ اس کام کی بنیاد پر کوئی ہم سے جدال کرنے لگے اور بتقضائے بشری ہمیں بھی غصّہ آئے اسی لیے قرآن نے فوراً اس کا بھی علاج بیان فرما دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ.

ترجمہ: اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

یعنی تم دعوت کا کام کرنے نکلے ہو، اگر اس میں تمھیں جدال کی صورت بھی پیش آجائے تو اس میں بھی جو سب سے اچھا طریقہ ہو، اسے اپناؤ اور گالی گلوچ جیسی فحش باتوں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

موعظتِ حسنہ کی حکمت خود قرآن کریم ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ (سورۂ حم السجدہ، آیت: ۳۴)

ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہ ہوجائیں گی اے سننے والے! برائی کو بھلائی سے

ٹال جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست۔

یعنی اچھا اور برا دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اپنا دفاع اس انداز سے کرو جو بہتر ہو۔ مثلاً غصے کو صبر سے، جہل کو حلم سے، بدسلوکی کو عفو سے دفع کرو کہ اگر تمھارے ساتھ کوئی برائی کرے تو معاف کر دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن دوستوں کی طرح محبّت کرنے لگیں گے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے حق میں نازل ہوئی کہ باوجود ان کی شدّتِ عداوت کے نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نیک سلوک کیا، ان کی صاحبزادی کو اپنی زوجیّت کا شرف بھی عطا فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آپ سے سچی محبت کرنے لگے اور آپ کے لیے اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے بھی تیار ہو گئے۔ (خزائن العرفان، ذیلِ آیۂ مذکورہ)

اسے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شخص نے برائی سے روکا اور بھلائی کی دعوت دی لیکن دوسرے نے اس کا جواب گالی سے دیا، برائی سے روکنے والا شخص اس سے معافی مانگ رہا ہے لیکن گالی دینے والا پیچھے نہیں ہٹتا، اگر برا سنبھل گیا تو بہتر لیکن جو لوگ اس منظر کو دیکھیں گے وہ ضرور اس سے متأثر ہوں گے اور اس کی دعوت قبول کریں گے۔

آج ہمارا مزاج اس کے بالکل برعکس ہے اسی لیے ہم دنیا میں ذلیل اور رسوا ہو رہے ہیں۔ ایک باپ کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو نماز قائم کرنے کے لیے بھی کہے، ساتھ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کی بھی تاکید کرے۔

پانچویں نصیحت: مصائب پر صبر

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ہم جب تک فضائل بیان کریں گے کوئی ہمارا دشمن نہیں ہوگا لیکن ہم نے جیسے ہی کسی بری بات سے منع کیا ہمیں دشمنی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اس لیے قرآن برائی سے روکنے کا حکم دینے کے بعد فوراً فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ.

ترجمہ: اور جو مصیبت تم کو پہنچے اس پر صبر کرو۔

یعنی اگر برائی سے روکنے کی بنیاد پر تمھیں تکلیفیں پہنچائی جائیں تو تمھیں ان پر صبر کرنا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب لوگوں کو برائیوں سے روکتے اور بھلائی کی دعوت دیتے تو لوگ آپ کو برا بھلا کہتے، آپ پر پتھر برساتے، فقرے کستے لیکن آپ صبر فرماتے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر ہم برائیوں سے روکنے کے لیے نکلیں گے تو لوگوں کا ایک گروہ ایسا ہوگا جو ہماری مخالفت کرے گا اور ہم سے جھگڑے گا لیکن ہمیں ان کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آنا ہے بلکہ ہمیں صبر کرنا ہے تاکہ دنیا اس انداز سے متاثر ہو کر ہماری دعوت کو قبول کرے۔ یہ بڑی ہمّت والا کام ہے، اسی لیے قرآن اس کے بعد فرماتا ہے:

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

ترجمہ: بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

لہٰذا اگر ہم لوگوں کو برائی سے روکیں اور لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ کر ہمارے دشمن بن جائیں تو اس پر ہمیں افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ دنیا نے تو امام الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تھا بلکہ ایسے موقع پر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ اگرچہ میرے ساتھ کوئی نہیں لیکن وہ پروردگار ضرور ہے جس کے لیے میں نے برائی سے روکا ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۵۳)

ترجمہ: بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

چھٹی نصیحت: تکبر سے اجتناب

پھر حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاق سے متعلق اپنے بیٹے کو نصیحت کی، قرآن

کریم اسے یوں بیان فرماتا ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝

ترجمہ: اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر اور زمین میں اِتراتا نہ چل بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اِتراتا فخر کرتا۔

صَعَر ایک بیماری ہے جو اونٹ کی گردن میں ہوتی ہے جس سے اونٹ کی گردن ٹیڑھی ہوجاتی ہے، یہاں قرآن کریم نے اسے تکبر کے معنی کی ادائیگی کے لیے استعمال فرمایا ہے، کیوں کہ جب کوئی تکبر کرتا ہے تو وہ اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھ کر اپنا منہ ٹیڑھا کر لیتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے سے بڑے لوگوں کی بات سن کر چھوٹے اپنا منہ ٹیڑھا کر لیتے ہیں، یہ ایک طرح سے تکبر کی علامت ہے، اسے نہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور نہ اس کے بندے اور یہ عادت انسان کو رسوا کر دیتی ہے۔

ملاقات کا طریقہ

نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جب تم کسی مومن سے ملاقات کرو تو مسکراتے ہوئے ملاقات کرو۔ اس کا فائدہ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ صدقے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ جو لوگ اپنا چہرہ بگاڑتے ہیں لوگ ان سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ ان کے غلام اس طرح بن جائیں کہ ان کے چہرے کو دیکھ کر ہی لوگ ان سے محبت کرنے لگیں۔ مسکرانے والے چہرے کو جنتی چہرہ کہا گیا ہے جبکہ بگڑا ہوا چہرہ نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔

چہرے کی اہمیت

چہرہ بڑی عظیم چیز ہے، یہ کھلی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے، چہرے ہی سے ولی کی شناخت کی جا سکتی ہے کہ جس کا چہرہ دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔ گنہگار اور نیکوکار کی پہچان بھی چہرے سے ہو جایا کرتی ہے۔ قیامت میں جنتی اور جہنمی ہونے کی پہچان بھی چہرے ہی سے ہوگی، جو لوگ جنت میں جانے والے ہوں گے ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور جو جہنم میں جانے والے ہوں گے ان کے چہرے پر سیاہی چھائی ہوگی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے شب و روز گزارتے ہیں اور اپنے نفس کی خواہشات کو پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو عذاب دے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۝ (سورۂ احزاب، آیت:٦٦)

ترجمہ: جس دن ان کے منھ اُلٹ اُلٹ کر آگ میں تلے جائیں کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

آج ہم چہرے کو سنوارنے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دیتے ہیں، چہروں کی خوبصورتی کے لیے بازار میں نئے نئے پاوڈر اور کریمس آتے رہتے ہیں جن سے چہروں کو سنوارنے کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں چہروں کا ذکر بدن سے الگ فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ ان کے منہ آگ میں جھلسائے جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ اے کاش! ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے۔ اب ہمیں سوچنا چاہیے کہ جس چہرے پر ہم معمولی سا داغ برداشت نہیں کر سکتے کیا ہم قیامت کے دن یہ برداشت کر سکیں گے کہ نافرمانیوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے۔

ایک شخص تجارت کرتا ہے، اس میں اتنا مصروف ہے کہ اسے کھانے اور پینے کا وقت نہیں ملتا، اس کا چہرہ سیاہ نظر آئے گا، لیکن یہی انسان رمضان کے دنوں میں بھی بھوکا اور پیاسا رہتا ہے پھر بھی کوئی اس کے چہرے کو دیکھ کر نہیں کہتا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بھوکا اور پیاسا رہنے کی وجہ سے اس کا چہرہ چمکتا ہے، یہاں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کے چہرے چمکتے ہیں۔

ساتویں نصیحت: اترا کر چلنے سے پرہیز

حضرت لقمان حکیم آگے فرماتے ہیں: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا.

(یعنی اے بیٹے! زمین پر اکڑ کر نہ چل۔)

اکڑ کر چلنے کا کیا نقصان ہوگا قرآن کریم خود ہی اسے بیان فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ٥

ترجمہ: بے شک اللہ کو نہیں پسند آتا کوئی اِتراتا، فخر کرتا۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ٥ (سورۂ اسراء، آیت: ۳۷)

(ترجمہ: اور زمین میں اتراتا نہ چل، بے شک تو ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا۔)

اترا کر چلنے کے طریقے

زمین پر اترا کر چلنا کئی طرح سے ہوسکتا ہے، وہ صورتیں بیان کی جاتی ہیں تا کہ ہم ان طریقوں سے بچیں اور اپنے بچوں کو ان سے بچا سکیں:

(۱) سینہ تان کر چلنا۔

(۲) بٹن کھلے رکھ کر چلنا۔

(۳) بھویں چڑھا کر چلنا۔

(۴) زمین پر پیر پٹخ کر چلنا۔

(۵) راستے میں چلنے والوں کو دھکے مارتے ہوئے چلنا۔

ان تمام چیزوں کو اترانے اور اکڑنے میں شمار کیا جاتا ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستے کے دائیں جانب سے چلا کرتے تھے اور چلنے کا انداز یہ ہوتا گویا کوئی شخص پہاڑی کی طرف چڑھ رہا ہو یا اس سے آہستہ آہستہ اتر رہا ہو۔ آپ کی نظریں نیچی ہوا کرتی تھیں، آپ کبھی بھی زمین پر پیروں کو پٹخ کر نہیں چلا کرتے تھے اور نہ آپ اسے پسند فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے کہ یہی زمین ہماری حیات میں ہمیں غذا فراہم کرتی ہے اور مرنے کے بعد یہی ہمارا مسکن بنے گی۔

جو شخص زمین پر نرمی اور تواضع و انکساری کے ساتھ چلتا ہے اس سے راہ گیر متاثر ہوتے ہیں اور اسے متکبر نہیں سمجھا جاتا۔ کوئی شخص اکڑ کر چل رہا ہے اگر دھکا لگ جائے تو سامنے والا شخص اسے زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہتا کہ کیا تم دیکھ کر نہیں چلتے؟ لیکن اگر یہی شخص نرمی کے ساتھ چلے تو دھکا لگنے پر سامنے والا خود ہی معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ اکڑ کر نہ چلنے میں یہ فائدہ بھی ہے کہ ہماری ذات سے دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچتی اور ہم اس گناہ سے محفوظ رہتے ہیں۔

صرف ایک مقام پر اکڑ کر چلنا جائز ہے

قرآن نے تو اکڑ کر چلنے سے منع کیا ہے لیکن ایک مقام ایسا ہے جہاں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اکڑ کر چلنے کا حکم بھی دیا اور خود بھی اس پر عمل فرمایا، وہ خانۂ کعبہ کا طواف

ہے، طواف کے پہلے تین چکّروں میں رَمَل یعنی اکڑ کر چلنا ہے جس طرح پہلوان اپنے کندھوں کو پھلا کر چلتے ہیں اسی طرح چلنا ضروری ہے۔

یہاں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ اس مقام پر اکڑ کر چلنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے قبل تکبر تھا لیکن آپ کے حکم فرما دینے کے بعد عبادت بن گیا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر حکم شریعت ہی کا حکم ہے۔

تکبر کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ حدیثِ قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِی، وَالْعَظَمَۃُ إِزَارِی فَمَنْ نَّازَعَنِی وَاحِدًا مِنْھُمَا قَذَفْتُہٗ فِی النَّارِ۔ (سنن ابی داؤد، حصہ چہارم، ص:۵۹)

ترجمہ: عظمت اور کبریائی دونوں میری چادریں ہیں جو انھیں کھینچے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلندی اور تکبر اللہ ہی کے شایانِ شان ہے، کسی دوسرے شخص کے ہرگز شایانِ شان نہیں۔ اگر کوئی شخص تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و رسوا کرتا ہے اور جو تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے۔

آج کے بعض اہلِ ثروت کا حال

آج کچھ لوگ عبادت سے بھی تکبر کرتے ہیں، جن لوگوں کے پاس کچھ دولت و ثروت اور شہرت آجاتی ہے وہ عبادت سے روگردانی کرنے لگتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ہمیں کس چیز کی کمی ہے کہ ہم عبادت کریں، عبادت تو غریب لوگ کریں گے۔ اسی وجہ سے آج مسجدوں میں مال داروں کی کمی اور غریب طبقے کے لوگوں کی کثرت ہوتی ہے۔ ایسے

متکبرین کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ۝

(سورۂ مومن، آیت: ۶۰)

ترجمہ: بے شک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھنچتے ہیں عنقریب جہنّم میں جائیں گے ذلیل ہوکر۔

یعنی جو لوگ اللہ کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں انھیں ذلت وخواری کی حالت میں جہنم میں جانا پڑے گا۔ عبادت سے تکبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عبادت میں اپنی توہین سمجھیں۔ ہمارے معاشرے کے کچھ مال دار افراد میں یقیناً یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ عبادت میں اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ عبادت سے مراد صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ عبادت سے مراد ہر وہ چیز ہے جس پر عمل کرنے کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔ ٹیکنالوجی کے اس دور میں اگر ہم کسی مال دار شخص سے بیٹھ کر کھانے کے لیے کہتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ یہ ترقی یافتہ دور ہے، آج کے وکیل، ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ کھڑے ہو کر کھاتے پیتے ہیں اور اگر ان سے کہا جائے کہ بیٹھ کر کھانا پینا سنتِ نبوی ہے تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہمیں اس طرح ہی کھانے کی عادت ہے ہم اپنی عادت کو کس طرح ترک کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی خبر لینی چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل وخوار ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

حقیقتِ تکبر

صحابۂ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تکبر کے حوالے سے بہت ساری احادیث سنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صحابیِ رسول بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور

عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! میں اپنے کپڑوں کو دھوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ بہت سفید رہیں اور جب وہ سفید ہو جاتے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی ہے، اچھے لباس پہننے سے میری طبیعت کو سکون واطمینان رہتا ہے اور میں اچھے جوتے پہننے کا بھی خواہش مند رہتا ہوں، ساتھ ہی یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ جوتے کے تسمے اچھے قسم کے ہوں، کیا یہ بھی تکبر میں داخل ہے؟ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ تکبر نہیں ہے بلکہ تکبر یہ ہے کہ تم کسی کو ذلیل سمجھو اور اپنے کو بڑا سمجھو۔

اگر ہم نے کسی کو دکھانے کے لیے اچھے کپڑے پہنے تو یہ تکبر ہوگا، اسی طرح اگر ہم نے شادی بیاہ میں دوسروں کو زیر کرنے کے لیے اچھا ڈیکوریشن کیا تو یہ بھی تکبر ہوگا، اسی طرح ہر وہ کام جو کسی کو نیچا دکھانے کے لیے کیا جائے تکبر ہوگا، لیکن اگر کوئی بندہ کسی کو نیچا دکھانے کی غرض سے اچھے کپڑے نہیں پہنتا بلکہ اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا اظہار کروں تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ہوگا۔

ایک صحابی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کا لباس کچھ اچھا نہ تھا، چہرے پر گرد وغبار تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر انھوں نے سادگی کو سبب بتایا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَّ يُحِبُّ الْجَمَالَ. (صحیح مسلم، حصہ اول، ص: ۹۳)

(ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔)

کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ سادگی میلے کچیلے کپڑے پہننے کا نام ہے حالاں کہ یہ غلط ہے، سادگی میلے کچیلے کپڑوں میں نہیں بلکہ اپنے دل کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہ میں بچھا دینے میں ہے۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ ایک شخص سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، وہ شخص پیر دراز کر کے لیٹا ہوا تھا، بزرگ کے تشریف لانے کے بعد بھی وہ اسی حالت میں رہا، کافی دیر تک وہ بزرگ وہاں تشریف فرما رہے لیکن وہ شخص اپنے پیر کو دراز کیے ہوئے تھا، نہ اس نے پیر سمیٹے اور نہ ہی اٹھنے کی زحمت گوارا کی۔ جب وہ بزرگ اٹھے تو ان کا دل اندر سے رو رہا تھا۔

یہ بھی تکبر کا طریقہ ہے اس لیے اگر کوئی ہم سے ملاقات کرنے آئے تو ہم اس کے سامنے پیر دراز کر کے نہ بیٹھیں بلکہ ہم آنے والے سے سیدھے بیٹھ کر ملاقات کریں، ہاں اگر کوئی تکلیف ہے تو آنے والے سے معذرت چاہیں۔ اسی طرح محفل میں پیر دراز کر کے بیٹھنا بھی تکبر کی علامت ہے۔

آٹھویں نصیحت: چلنے پھرنے کے آداب

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو جو آٹھویں نصیحت فرمائی اس کے الفاظ قرآن مقدس میں یہ ذکر کیے گئے ہیں: وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ.

(ترجمہ: اور میانہ چال چل۔)

چلنے کا انداز میانہ ہونا چاہیے۔ بہت تیز رفتار بھی مذموم ہے اور بہت دھیمی چال بھی اچھی نہیں ہے۔ تیز رفتار میں تکبر کا شائبہ ہوتا ہے اور دھیمی رفتار چھچھورے پن کی علامت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب چلتے تو ذرا آگے جھک کر چلتے، ایسا معلوم ہوتا کہ آپ بلندی سے اتر رہے ہیں۔ (شمائل ترمذی، حصہ اول، ص:١٩)

ایک روایت میں ہے کہ بہت تیز چلنا مومن کا وقار کھوتا ہے۔

ہمارے نوجوانوں اور بچوں میں عام طور پر بڑی عجلت پائی جاتی ہے، سیڑھیوں پر اتنی تیزی سے دوڑتے ہوئے چلتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی سیڑھی سے گر پڑا

ہو۔اسی طرح زمین پر پیروں کو اس طرح پٹک پٹک کر چلتے ہیں جیسے زمین پر احسان کر رہے ہوں۔ کچھ تو جوانی کے جنون کے شکار ہو کر ایسا کرتے ہیں اور کچھ مال و دولت کے نشے میں اتراتے ہوئے چلتے ہیں۔ اسلام نے ہر کام کے آداب متعین کیے ہیں۔ چلنے پھرنے کے آداب کا لحاظ کرنے کی بھی اسلام میں بڑی تاکید ہے۔ جو اس سے غافل ہے وہ بے ادب شمار کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ مقدس میں ارشاد فرمایا:

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (سورۂ فرقان، آیت: ٦٣)

ترجمہ: اور خدا کے وہ بندے جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑے ادب اور وقار سے چلتے، اپنی نگاہیں راستے پر رکھتے اور اِدھر اُدھر بہت کم دیکھتے۔ چلنے کا سب سے پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ خاکساری اور عاجزی سے دبے پاؤں چلا جائے۔ نہ زیادہ تیز چلنا چاہیے اور نہ ہی زیادہ آہستہ بلکہ اپنی جسمانی طاقت اور قوت کے مطابق درمیانی چال سے چلنا چاہیے۔ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کی یہ علامت بتائی کہ وہ زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں، ان کی چال میں انتہائی متانت اور وقار ہوتا ہے۔

پیر زمین پر اس قدر تیزی سے پٹک پٹک کر چلنا کہ جوتوں سے آواز آئے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالکل پسند نہیں تھا۔ یوں ہی ایسے جوتے استعمال کرنا جن کے تلووں میں کوئی ایسی چیز لگی ہو جس سے تیز آواز پیدا ہوتی ہو، یہ بھی درست نہیں ہے کہ اس سے فخر اور غرور کا اظہار ہوتا ہے جو کہ اسلام کی نظر میں پسندیدہ نہیں۔

نویں نصیحت: گفتگو کے آداب

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں: وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ.

(ترجمہ: اور اپنی آواز کچھ پست کر، بے شک سب آوازوں میں بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔)

آپ کی یہ نصیحت آدابِ گفتگو سے متعلق ہے۔شور مچانا اور بہت تیز آواز سے گفتگو کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے اور اس میں کچھ فضیلت بھی نہیں ہے۔ گدھے کی آواز باوجود بلند ہونے کے مکروہ اور وحشت انگیز ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نرم آواز سے کلام کرنا پسند تھا اور سخت آواز سے بولنے کو ناپسند رکھتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو بات چیت کی جو صلاحیت عطا فرمائی ہے وہ بھی اس کی عظیم نعمت ہے۔ اپنا مقصد اور ضرورت ظاہر کرنے کے لیے ہر شخص کو گفتگو کی تقریباً ہر وقت ضرورت پڑتی ہے۔ چوں کہ معقول گفتگو دانش مندی کی دلیل ہوتی ہے اس لیے اسلام میں گفتگو کے بھی آداب اور اصول مقرر ہیں جن کی روشنی میں گفتگو کرنا انسانی وقار میں اضافے کا سبب بنتا ہے اور بولنے والا مہذب اور خوش اخلاق تصور کیا جاتا ہے۔ ہمیں گفتگو درمیانی لہجے سے کرنی چاہیے، نہ زیادہ اونچی آواز میں ہو اور نہ ہی زیادہ پست۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اندازِ گفتگو بہت ہی پیارا تھا، آپ کی گفتگو میں اعتدال تھا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی انتہائی نرم دل اور نرم طبیعت کے مالک تھے۔ خود بھی ہمیشہ نرم لہجے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ہر کسی کو اس بات کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ آپ کے تعلق سے خود اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (سورۂ آلِ عمران، آیت:١٥٩)

ترجمہ: تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمھاری گرد سے پریشان ہو جاتے۔

اس آیت میں صاف لفظوں میں فرما دیا گیا کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اِرد گرد جو دیوانوں کا جمِّ غفیر نظر آ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ انتہائی نرم دل اور بردبار ہیں۔ اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو اس شمعِ نبوت کے گرداگرد پروانوں کا یہ جمگھٹا نظر نہیں آتا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں بہت سے ایسے بالا خانے ہیں جن کے باہر کے حصے اندر سے اور اندر کے حصے باہر سے نظر آتے ہیں۔ ایک اَعرابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! یہ کن لوگوں کے لیے ہوں گے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِمَنْ اَطَابَ الْكَلَامَ وَ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ اَدَامَ الصِّيَامَ وَ صَلّٰى بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ. (سنن ترمذی، حصہ سوم، ص:٤٢٢)

ترجمہ: یہ ان لوگوں کے لیے ہوں گے جو ہمیشہ اچھی گفتگو کرتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، اکثر روزہ رکھتے ہیں اور رات میں جب سب لوگ سو رہے ہوں اس وقت نوافل پڑھتے ہیں۔

اس روایت سے پتہ چلا کہ جو شخص ان چار خوبیوں کا مالک ہو اُسے جنت میں شاندار محل انعام میں ملے گا۔ پہلی خوبی تو یہ ہے کہ وہ اچھی گفتگو کرے اور اپنی زبان سے کوئی غیر شرعی یا غیر اخلاقی بات نہ نکالے۔ اس کے علاوہ بھوکوں کو کھانا بھی کھلاتا ہو، عام طور پر روزے بھی رکھتا ہو اور رات میں جاگ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانۂ بندگی بھی

پیش کرتا ہو۔

تھوڑی سی ہنسی مذاق کی اسلام میں اگر چہ گنجائش ہے مگر پھر بھی اس سے احتراز بہتر ہے کہ وہی ہلکا پھلکا مذاق بسا اوقات آگے بڑھ کر لڑائی جھگڑے کا باعث بن جاتا ہے۔ سخت قسم کے مذاق جن میں کسی کی دل آزاری ہو ان کی شریعت میں کسی طور پر اجازت نہیں ہے۔ مذاق سے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت پیدا ہوتی ہے جس کی بنیاد پر مذاق کرنے والے کی وقعت کم ہوجاتی ہے اور وہ لوگوں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی تھیں ان میں سے چند یہاں ذکر کی گئیں۔ بظاہر اس کے الفاظ بڑے مختصر معلوم ہوتے ہیں کہ قرآن مقدس کی چار آیتوں میں انھیں جمع کر لیا گیا ہے لیکن ہم اگر غور کریں تو ہمیں ان نصیحتوں میں عقائد وایمان سے متعلق پند و نصائح بھی ملیں گے، عبادت وریاضت سے متعلق ہدایتیں بھی ملیں گی، اخلاقیات کا بھی تذکرہ ملے گا، معاشرت سے متعلق رہنمائی بھی ملے گی، احساسِ ذمے داری اور اس کے فرائض بھی ملیں گے، قیامت اور حساب و کتاب کا تصور بھی ملے گا اور ان باتوں کا بھی ذکر ملے گا جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ پسند یا ناپسند فرماتا ہے۔

نصیحتوں کی ترتیب اور آیتوں کے باہمی ربط کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ پہلے شرک سے اپنے آپ کو بچا کر اپنے دل میں توحید کو جگہ دینے کی تاکید فرمائی گئی، پھر شرک سے بچنے کی جو نصیحت کی جارہی ہے اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی۔ پھر والدین کی عظمت کا تذکرہ کیا گیا تاکہ نصیحت سننے والا بہ آسانی اپنے دل میں نصیحت کو جگہ دے سکے۔ پھر فرمایا گیا کہ کوئی بھی نصیحت کرنے والا اگر اللہ کی طرف لے جانے والے راستے کی رہنمائی کرے تو اس کی نصیحت ضرور قبول کرو اور اگر وہ راستہ دکھائے جو اللہ کی راہ سے بھٹکانے والا ہے تو ہرگز اس کی بات نہ مانی جائے۔ پھر برائیوں سے بچنے کی نصیحت کی گئی، پھر عبادت اور نیکی کی طرف مائل

ہونے کی۔ اب جو یہ دو صفتیں کوئی شخص اپنا لے تو فرمایا گیا کہ صرف خود ہی ان صفات سے متصف نہ رہے بلکہ اوروں کو بھی برائیوں سے روکے اور نیکیوں کی طرف مائل کرے۔ چوں کہ یہ تبلیغ ہے اور دعوت وتبلیغ کے کام میں مصیبتیں بھی برداشت کرنی ہوتی ہیں اس لیے اب فرمایا گیا کہ اگر کوئی مصیبت آئے تو صبر سے کام لینا ہوگا۔ اب دعوت وتبلیغ کے کام میں مصروف ہونے والے کو اخلاقی صفات سے متصف ہونے کی تاکید کی جا رہی ہے اور یہ نصیحت کی جا رہی ہے کہ اس کے چلنے اور گفتگو کرنے کا انداز متانت اور سنجیدگی سے بھرپور ہونا چاہیے۔

اب ان نصیحتوں پر عمل کرنے والا ایمان میں پختہ ہوگا، برائیوں سے محفوظ ہوگا، نیک اعمال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والا ہوگا، معاشرے کی اصلاح کا جذبہ رکھنے والا ہوگا، مصیبتوں پر صبر کرنے والا ہوگا، لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے والا ہوگا، عاجزی اور انکساری والا ہوگا، تکبر سے پاک ہوگا، نرم خو اور نرمی کے ساتھ گفتگو کرنے والا ہوگا اور ان ساری صفات کو اپنانے کے بعد ایک کامیاب داعی اور دین کا بااثر مبلغ ہوگا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو برائیوں سے بچنے، نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیں اور نصیحت کریں۔ ساتھ ہی انھیں تکبر اور اکڑ کر چلنے سے روکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت لقمان کی چند اور مفید نصیحتیں

حضرت لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عزیز بچے کو جو نصیحتیں فرمائیں تھیں ان کی تعداد ہزاروں میں ہے، یہاں علامہ ابن مبارک کی کتاب ''الزھد والرقائق'' حضرت ابن ابی شیبہ کی ''الادب'' اور امام طبرانی کی ''الدعاء'' اور دیگر بعض کتب سے آپ کی کچھ اور نصیحتیں درج کی جاتی ہیں۔ اگر اللہ رب العزت کی تائید شامل حال رہی تو آئندہ حضرت لقمان حکیم کی دیگر نصیحتوں کو تفصیل کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

☆ عبادت کے وقت اپنے دل کو قابو میں رکھنا۔
☆ جب دستر خوان پر بیٹھو تو اپنے پیٹ پر قابو رکھنا۔
☆ کسی کے گھر جاؤ تو اپنی آنکھوں پر قابو رکھنا۔
☆ کسی محفل میں بیٹھو تو اپنی زبان پر قابو رکھنا۔
☆ اللہ اور موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔
☆ اپنی نیکیاں اور دوسروں کی برائیاں بھلا دو۔
☆ عقل مند کو اپنے گھر میں بچے کی طرح اور اپنی قوم میں مرد کی طرح رہنا چاہیے۔
☆ بوڑھوں سے مشورہ کرنا۔
☆ لوگوں پر فقرے چست نہ کرنا ورنہ تم سے دشمنی کریں گے۔
☆ کسی کے ساتھ برائی نہ کرنا ورنہ خود بھی ذلیل ہو گے۔
☆ ہمسایگی بہت بڑا بوجھ ہے، اس کا خیال رکھنا۔

☆ دوست کو مصیبت کے وقت آزمانا۔

☆ تم پر جو احسان کرے اسے یاد رکھنا اور جو احسان تم کسی پر کرو اسے بھلا دینا۔

☆ کسی عورت کے پیچھے جانے کے مقابل میں کسی شیر کے پیچھے جانا بہتر ہے اس لیے کہ شیر پلٹ آیا تو جان چلی جائے گی مگر عورت پلٹ آئی تو ایمان چلا جائے گا۔

☆ خدا کی معرفت حاصل کرو اور اسے اچھی طرح پہچانو۔

☆ جو بات کسی سے کہو اس پر خود بھی عمل کرو۔

☆ موقع سے بولو اور مناسب گفتگو کے لیے لب کشادہ کرو۔

☆ ہر قسم اور ہر طبقے کے لوگوں کو پہچانو اور ان کے ساتھ مناسب برتاؤ کرو۔

☆ اپنا راز کسی سے نہ کہو۔

☆ دوستوں کو مصیبت کے وقت آزماؤ۔

☆ دوستوں کا امتحان فائدے اور نقصان دونوں حالتوں میں کرو۔

☆ ہر شخص کے حق کو پہچانو۔

☆ ناسمجھ عورتوں پر بھروسہ نہ کرو۔

☆ کسی دوسرے کی کسی چیز کی طمع اور لالچ مت کرو۔

☆ جو بات نہ جانتے ہو اس میں استاذ بننے کی کوشش مت کرو۔

☆ اپنا ہر کام سوچ سمجھ کر کرو۔

☆ اپنی اولاد کو علم اور ادب سکھاؤ۔

☆ قوم و ملت اور جماعت کے ساتھ میل جول رکھو۔

☆ اپنے کپڑوں کو پاکیزہ رکھو۔

☆ جب گھر میں داخل ہو تو آنکھ اور زبان پر قابو رکھو۔
☆ مہمان کی حیثیت کے مطابق اس کی خدمت کرو۔
☆ سخاوت کی عادت ڈالو۔
☆ ہر معاملے میں میانہ روی اختیار کرو۔
☆ خرچ میں آمدنی کا لحاظ رکھو۔
☆ استاذ کو بہترین باپ سمجھو۔
☆ کم کھانے، کم سونے اور کم بولنے کی عادت ڈالو۔
☆ جو اپنے لیے پسند نہ کرو اسے دوسروں کے لیے پسند نہ کرو۔
☆ دن میں چوکنّے ہو کر بات چیت کیا کرو۔
☆ اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھو۔
☆ بیہودہ گوئی سے پرہیز کرو۔
☆ کسی کو لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ کرو۔
☆ عزیزوں سے عزیز داری کے برتاؤ میں پس وپیش نہ کرو۔
☆ لوگوں کے سامنے انگڑائی نہ لو۔
☆ بے خطا اور بے گناہ کو خطا کار اور گنہگار نہ ٹھہراؤ۔
☆ اپنے مال کو چھپاؤ اور اسے دوست اور دشمن کے سامنے نہ لاؤ۔
☆ ماں باپ کے وجود کو غنیمت اور نعمت جانو۔
☆ اپنے صحیح دوستوں کو دل سے دوست رکھو۔
☆ جوانی میں ایسے کام کرو جو دین اور دنیا دونوں میں مفید ثابت ہوں۔

☆ عہدِ جوانی کو غنیمت جانو۔

☆ جو بات کہو وہ نپی تُلی اور پُراز دلیل ہو۔

☆ اصلاح پسند اور عقل مند لوگوں سے مشاورت کرو۔

☆ اچھے کاموں میں پوری سعی کرو۔

☆ خردمند اور ہوشیار لوگوں سے میل جول رکھو۔

☆ احمقوں سے دور رہو۔

☆ آج کا کام کل پر نہ ڈالو۔

☆ کسی حاجت مند کو نا امید نہ کرو۔

☆ گزری ہوئی کشیدگی کو تازگی نہ بخشو۔

☆ بزرگوں سے بہت بات نہ کرو۔

☆ اپنے سے بڑوں کے ساتھ ہنسی مذاق نہ کرو۔

☆ بزرگوں کے آگے مت چلو۔

☆ خاموشی کی عادت ڈالو تاکہ زبان کے شر سے بچے رہو۔

☆ اگر کوئی تمھاری جھوٹی تعریف کرے تو تم خوش نہ ہونا اس لیے کہ جاہل کی تعریف سے ٹھیکری گوہر نہیں بن جائے گی۔

☆ بڑوں سے ٹکر نہ لو اور چھوٹوں کو ذلیل نہ سمجھو۔

☆ اگر تم اپنے لیے ہزار دوست بنا لو تو یہ کم ہے اور اگر ایک دشمن بنا لو تو یہ زیادہ ہے۔

☆ تم سے قیامت میں پوچھا جائے گا کہ جوانی میں کیا کیا؟ حیات کہاں صرف کی؟ مال کہاں سے حاصل کیا؟ اور اسے کہاں صرف کیا؟ اس کے جواب کے لیے تیار رہو۔

☆ دو چیزوں کو کبھی نہ بھولو، اللہ کو اور موت کو۔

☆ دو چیزوں کو کبھی یاد نہ رکھو، ایک یہ کہ تم نے کسی پر کوئی احسان کیا ہو اور دوسری یہ کہ کسی کی طرف سے تمھیں کوئی تکلیف پہنچے۔

☆ اگر کسی چیز کے بارے میں کسی شخص سے بعد میں معلومات حاصل ہونے والی ہو تو پہلے پوچھ کر اپنی وقعت کو ضائع نہ کرو۔

☆ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ادب کس سے سیکھا؟ آپ نے کہا: بے ادبوں سے۔ان کا جو کام مجھے ناپسند آیا میں نے اس سے پرہیز کیا۔

☆ آپ سے کسی نے پوچھا کہ حکمت کس سے سیکھی؟ آپ نے کہا: اندھوں سے۔وہ پہلے زمین کو ٹٹول لیتے ہیں پھر آگے بڑھتے ہیں۔

☆ چند خوبیوں والا عقل مند ہے۔(۱) اگر اس سے گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے ایسی توبہ کرے کہ پھر اس گناہ کی طرف نہ جائے، جیسے کہ جب ماں بچے کا دودھ چھڑا دیتی ہے تو پھر وہ بچہ اس کے دودھ کی طرف نہیں بڑھتا۔(۲) جسے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی تمنّا ہو اسے چاہیے کہ جب وہ کسی کے گھر جائے تو ان چیزوں سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کرے جن کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا۔اس شخص کا یہ بچنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگا لہٰذا اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں اسی سبب سے اپنے دیدار سے نوازے گا۔(۳) جو شخص یہ چاہتا ہو کہ مخلوق کا ڈر اس کے دل سے نکل جائے اسے چاہیے کہ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

☆☆☆

حضرت امام غزالی کی نصیحتیں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پورا نام حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد غزالی طوسی ہے۔ آپ علم وحکمت کے جگمگاتے چراغ ہیں۔ دین اور دینی علوم کی آپ نے جو خدمات کی ہیں وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ آپ کی زبان اور رشحات قلم سے نکلنے والے الفاظ دُرِّ نایاب کی طرح تھے۔ آپ کے ایک شاگرد جنھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ آپ کی خدمت میں رہ کر گزارا تھا اور آپ سے تحصیلِ علم کی تھی ایک مرتبہ ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع نہ دے۔ انھوں نے سوچا کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کیے ہیں اب ان میں سے کون سے علوم میرے لیے نفع بخش ہوں گے کہ میں ان سے تعلق برقرار رکھوں اور کون سے علوم میرے لیے نفع بخش نہ ہوں گے کہ میں ان سے اپنا تعلق ختم کر دوں۔

آپ انھی سوچوں میں گم تھے کہ یکا یک آپ کو خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے شیخ کی خدمت میں ایک مکتوب لکھ کر اس تذبذب سے تشفی حاصل کر لی جائے۔ آپ نے اپنے استاذ و مربّی حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک خط لکھا، اس میں چند سوالات تھے، اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے نصیحت کرنے کی خواہش ظاہر کی اور دعا کی التماس کی۔

جواباً حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو باتیں لکھ کر اپنے اس شاگرد کے پاس بھیجیں ان پر عمل پیرا ہونا ہر مسلمان بالخصوص بچوں کی تاب ناک مستقبل کی ضمانت اور دنیا و آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

اے لائقِ محبت واعزاز بچے! اس بات کو ذہن نشیں کرلو کہ سرچشمۂ نصیحت سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ ہیں، اگر تمھارے پاس احادیث مبارکہ موجود ہیں تو تمھیں میری نصیحتوں کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر تمھارے پاس موجود نہیں ہیں تو تم نے ان گزرے ہوئے دنوں میں کیا حاصل کیا؟

نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں ان میں سے یہ ایک نصیحت خصوصی توجہ کی طلبگار ہے۔ آپ نے فرمایا:

عَلَامَۃُ اِعْرَاضِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ، وَاِنَّ امْرأً ذَھَبَتْ سَاعَۃٌ مِّنْ عُمْرِہٖ فِیْ غَیْرِ مَا خُلِقَ لَہٗ لَجَدِیْرٌ أَنْ تَطُوْلَ عَلَیْہِ حَسْرَتُہٗ وَمَنْ جَاوَزَ الْاَرْبَعِیْنِ وَلَمْ یَغْلِبْ خَیْرُہٗ عَلٰی شَرِّہٖ فَلْیَتَجَھَّزْ اِلَی النَّارِ.

ترجمہ: کسی بندے کا بے مقصد کاموں میں مصروف ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے نظرِ رحمت پھیر لی ہے۔ اگر کسی شخص کی عمر کا ایک لمحہ بھی بے مقصد کام میں استعمال ہوا تو وہ شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی حسرت لمبی ہو جائے۔ جس شخص کی عمر چالیس سال سے زیادہ ہوگئی اور اب تک اس کی برائیوں پر اس کی اچھائیاں غالب نہیں ہوئیں تو اسے جہنم میں جانے کی تیاری کر لینی چاہیے۔

نصیحت کڑوی لگتی ہے

اے پیارے بیٹے! نصیحت کرنا آسان ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل کام ہے اس لیے کہ نفسانی خواہشات کے پیروکاروں کو نصیحتیں کڑوی لگتی ہیں۔ خصوصًا وہ طالب علم جو اپنی واہ واہی اور دنیوی شہرت کا خواہش مند ہو اسے نصیحتیں زیادہ کڑوی لگتی ہیں۔ اسے ایسا لگتا ہے

کہ محض علم اس کے لیے نجات اور چھٹکارے کا سامان بن سکتا ہے اور اسے عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے جب کہ یہ فلسفیوں کا نظریہ ہے۔ اسے یہ جان لینا چاہیے کہ علم حاصل کر کے اگر اس نے اس پر عمل نہیں کیا تو وہ علم آخرت میں اس کی گرفت کا باعث بنے گا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ عَالِمٌ لَّا یَنْفَعُہُ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ.

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس علم والے کو ہوگا جس کے علم سے اللہ نے اسے کچھ فائدہ نہیں دیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا گیا اور آپ سے آپ کا حال دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کتابوں کی عبارتیں اور علوم کی باریکیاں کارگر ثابت نہیں ہوئیں، بس وہ چند رکعتیں کام آ گئیں جو ہم نے رات کی تنہائی میں ادا کی تھیں۔

بے عملی کی مثال

اے پیارے بیٹے! نیک اعمال میں کمزور اور باطنی احوال سے خالی نہ ہونا اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کر لینا کہ محض علم تمھارے کام نہیں آنے والا ہے۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے سمجھتے چلو کہ کوئی شخص جنگل میں موجود ہے، اس کے پاس دس ہندی تلواریں اور دیگر اسلحے بھی ہیں، وہ شخص بہادر بھی ہے اور جنگی داؤ پیچ کا ماہر بھی، اسی اثنا میں اس پر کسی خوفناک عظیم الجثہ شیر نے حملہ کر دیا تو ان اسلحوں کے استعمال کے بغیر کیا وہ شخص اس شیر کے شر سے محفوظ ہو سکتا ہے؟ تمھارا جواب یہی ہوگا کہ جب تک وہ ان اسلحوں کا استعمال نہیں کرے گا وہ اسلحے اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے لاکھوں مسائل سیکھ لیے ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کرتا ہے تو

یہ سیکھنا اور علم حاصل کرنا اس کے کسی کام کا نہیں ہوا۔

یا اس طرح سمجھیے کہ اگر کسی شخص کو بخار ہو یا صفرا کی بیماری ہو جن کا علاج سکنجبین اور کشکاب سے ہوسکتا ہے تو جب تک وہ شخص یہ دوائیں استعمال نہ کرے اسے شفا نہیں میسر آئے گی۔

عمل کے بغیر علم بے سود

اے میرے بیٹے! اگر چہ تم نے سو سال تک علم حاصل کرلیا ہو اور ایک ہزار کتابیں پڑھ لی ہوں پھر بھی تم عمل ہی کے ذریعے اللہ کی رحمت کے مستحق ہو سکتے ہو۔ اس بات کی صراحت اللہ تبارک وتعالیٰ کے متعدد فرامین سے ملتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی. (سورۂ نجم، آیت:۳۹)

ترجمہ: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

ایک مقام پر فرمایا:

فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا. (سورۂ نجم، آیت:۱۱۰)

ترجمہ: تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے۔

ایک مقام پر فرمایا:

جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ. (سورۂ توبہ، آیت:۸۲)

ترجمہ: بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔

ایک مقام پر فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ۙ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡہَا حِوَلًا ۙ

(سورۂ کہف، آیت:۱۰۷-۱۰۸)

ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے فردوس کے باغ ان کی مہمانی ہے۔ وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے، ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔

ایک مقام پر فرمایا:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا. (سورۂ فرقان، آیت:۷۰)

ترجمہ: مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے۔

عمل پر بنیادِ اسلام

احادیث میں بھی تو عمل کا تذکرہ ملتا ہے۔ فرمانِ رسول دیکھو:

بُنِیَ الۡاِسۡلَامُ عَلٰی خَمۡسٍ شَهَادَةِ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَاءِ الزَّكٰوةِ وَصَوۡمِ رَمَضَانَ وَ حَجِّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا.

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ دینا۔ (۴) رمضان کے روزے رکھنا۔ (۵) اگر استطاعت ہو تو حج کرنا۔

ایمان کا مطلب ہی ہے زبان سے اقرار کرنا، دل سے یقین کرنا اور ارکانِ اسلام پر عمل پیرا ہونا۔

اعمال کے مؤثر ہونے کی دلیلیں اتنی ہیں کہ شمار ہی نہیں کی جاسکتیں۔

جنت کیسے ملے گی؟

اگر چہ بندہ اللہ کے رحم و کرم ہی کی بنیاد پر جنت تک پہنچ سکتا ہے لیکن یہ رحم و کرم اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کی بجا آوری کے بعد ہی حاصل ہوگا۔ (وہ خود فرماتا ہے:)

اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے قریب ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ محض ایمان کی بنیاد پر جنت تک پہنچ سکتا ہے تب بھی تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہاں تک پہنچنے میں اسے کس قدر وقت لگ جائے گا اور وہاں تک پہنچنے کے دوران اسے کس قدر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سب سے پہلا مرحلہ تو ایمان ہی کا ہے کہ دنیا سے جاتے جاتے وہ اپنا ایمان صحیح سلامت لے کر جا سکے گا یا نہیں اور اگر پہنچ بھی گیا تب بھی مفلسی کے ساتھ پہنچے گا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں سے ارشاد فرمائے گا: اے میرے بندو! جنت میں میری رحمت سے داخل ہو جاؤ اور اسے اپنے اعمال کے مطابق تقسیم کرلو۔

عمل پر اجر ہے

اے میرے بیٹے! جب تک عمل نہیں کرو گے اجر نہیں ملے گا۔ مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ستر سال تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر اس کی شان وعظمت اُجاگر فرمانے کا ارادہ فرمایا تو اس کے پاس ایک فرشتے کو بھیجا، اس فرشتے نے آکر اس سے کہا کہ اس قدر عبادت وریاضت کے باوجود اسے جنت نہیں ملے گی۔ یہ بات سن کر اس عابد نے جواب دیا کہ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے لہٰذا ہماری ذمے داری ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں۔

جب وہ فرشتہ واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: میرے بندے نے کیا کہا؟ اس نے کہا: مولا! تو جانتا ہے کہ اس نے کیا کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس بندے نے میری عبادت سے روگردانی نہیں کی تو شانِ کریمی کا تقاضا یہ ہے کہ میں بھی اس سے نظرِ کرم نہ پھیروں۔ فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔

عمل کا مقام

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْا اَعْمَالَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا.

ترجمہ: اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے تم خود اپنا محاسبہ کرلو اور اس سے پہلے کہ تمھارے اعمال کو تولا جائے تم خود انھیں تو لو۔

حضرت علیِ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ ظَنَّ اَنَّہٗ بِدُوْنِ الْجُھْدِ یَصِلُ فَھُوَ مُتَمَنٍّ وَّمَنْ ظَنَّ اَنَّہٗ یَبْذُلُ الْجُھْدَ فَیَصِلُ فَھُوَ مُسْتَغْنٍ.

ترجمہ: جس نے یہ گمان کیا کہ نیک عمل کے بغیر جنت میں داخل ہو جائے گا وہ جھوٹی امید لگائے ہوئے ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ اعمال کی بنیاد پر اسے جنت مل ہی جائے گی وہ (اللہ کی رحمت سے) بے پرواہ ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نیک عمل کے بغیر جنت طلب کرنے کو میں گناہ سمجھتا ہوں۔

ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں: حقیقی بندہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ نیک عمل کرنا نہ چھوڑے بلکہ اپنے نیک عمل کو اچھا سمجھنا چھوڑ دے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ.

ترجمہ: عقل مند وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے نیک عمل کیا اور بے وقوف وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو خواہشات کے تابع کر دیا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے (اجر و ثواب کی) امید رکھتا ہے۔

نیت خالص رکھو

اے بیٹے! تم نے نہ جانے کتنی راتیں علم حاصل کرنے کے لیے جاگ کر گزاریں اور اپنے اوپر نیند کو حرام کر لیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس میں تمھارا مقصد کیا تھا۔ اگر تمھاری نیت دنیا کی دولت حاصل کرنے یا کوئی عہدہ پانے یا اپنے ساتھیوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی تھی تو تمھارے لیے ہلاکت کا سامان ہے اور اگر علم حاصل کرنے میں تم نے نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ کو تقویت پہنچانے، اپنے اخلاق کو عمدہ بنانے یا اپنے نفسِ اَمّارہ کو پابندِ شریعت کرنے کی نیت کی تھی تو تمھارے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

اے بیٹے! (اگر نیت میں فتور ہے تو) علمِ کلام، علمِ مناظرہ، علم طب، علمِ دواوین و اشعار، علمِ نجوم، علمِ عروض، علمِ نحو اور علمِ صرف وغیرہ حاصل کر کے اللہ کی ناراضگی میں اپنی زندگی کا قیمتی وقت ضائع کرنے کے علاوہ تمھیں کیا حاصل ہوا؟

حضرت جبریل کی نصیحت

حضرت سہل بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ کہتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبیِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور (تعلیمِ امت کے لیے) آپ سے فرمایا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) آپ جیسے چاہو زندگی گزارو، ایک نہ ایک دن آپ کو دنیا سے جانا ہے۔ جس سے چاہو محبت کرو، ایک نہ ایک دن اس سے جدا ہونا ہے۔ جیسا چاہو عمل کرو، قیامت کے دن آپ کو اس کا بدلہ ملنا ہے۔

دل کو سنوارو

(امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میں نے انجیل مقدس میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میت کو جب سیج پر رکھا جاتا ہے اس وقت سے لے کر اسے قبر میں لٹانے تک اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے چالیس سوالات کرتا ہے۔ سب سے پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ اے میرے بندے! تو نے اپنے ظاہر کو ستھرا کرنے کا برسوں خیال کیا لیکن جس چیز پر میری نظرِ رحمت ہوتی ہے (یعنی دل) اس کو ستھرا کرنے کا ایک لمحہ بھی خیال نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ روزانہ تیرے دل کو دیکھتا ہے اور فرماتا ہے: تو دوسروں کے لیے نہ جانے کیا کیا کرتا ہے جب کہ تو میری نعمتوں میں گھرا ہوا ہے۔ تو کیا تو بہرہ ہے؟ تو سن نہیں سکتا؟

علم اور عمل دونوں ضروری

اے بیٹے! عمل کے بغیر علم جنون کی طرح ہے اور علم کے بغیر عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کر لو کہ جو علم آج تمھیں گناہوں سے دور نہیں کر رہا ہے اور تمھارے دل میں اللہ کی اطاعت وعبادت کا ذوق نہیں پیدا کر رہا ہے وہ کل قیامت کے دن تمھیں جہنم کے عذاب سے کیوں کر بچائے گا؟

آج وقت ہے عمل کر لو اور اعمال کی اصلاح کر کے ماضی میں کی گئی بداعمالیوں کی بھرپائی کر لو ورنہ کل قیامت کے دن حسرت کے ساتھ کہو گے: اے اللہ! ہمیں دوبارہ دنیا میں لوٹا دے تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ لیکن تم سے کہا جائے گا کہ بے وقوف! تو ابھی وہیں سے تو آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ مقدس میں فرماتا ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ (سورۂ سجدہ، آیت: ۱۲)

ترجمہ: اور کہیں تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے اے ہمارے رب! اب ہم نے دیکھا اور سنا ہمیں پھر بھیج کہ نیک کام کریں ہم کو یقین آ گیا۔

خود سوچو

اے بیٹے! روح میں ہمت پیدا کرو، نفس کو پچھاڑ و اور موت کو قریب جانو کیوں کہ تمھاری اصل منزل قبر ہے اور قبرستان والے ہمیشہ تمھارے انتظار میں ہیں کہ تم وہاں کب پہنچنے والے ہو اس لیے وہاں پہنچنے کی تیاری کرو تا کہ تم وہاں خالی ہاتھ نہ پہنچو۔

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یہ جسم پرندوں کے پنجرے یا چوپایوں کے اصطبل ہیں۔ تو خود سوچو کہ تمھارا جسم ان میں سے کیا ہے۔

اگر تم بلندی کی طرف پرواز کرنے والے پرندے ہو تو جب تم یہ نقارہ سنو (اِرْجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ یعنی اپنے رب کی طرف واپس ہو۔) تو تیزی کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے جنت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاؤ۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت عرشِ الٰہی جھومنے لگا۔ (عرش کے جھومنے سے مراد اس کا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے پر خوشی کا اظہار کرنا ہے۔)

اور اللہ نہ کرے، اگر تمھارا شمار جانوروں میں ہو رہا ہے (یعنی تمھارے اندر ایسی صفات ہیں جن صفات کے مالکین کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ یعنی وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔) تو اپنے گھر کی دہلیز سے نکل کر جہنم کی تہہ میں پہنچنے سے اپنے آپ کو محفوظ مت سمجھنا۔

بے ہوش ہو گئے

مروی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا، جیسے ہی آپ نے ہاتھ میں پیالہ تھاما آپ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا: اے ابوسعید! کیا معاملہ ہے؟ آپ نے کہا: مجھے وہ منظر یاد آ گیا جب جہنم والے جنت والوں سے کہیں گے:

اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ.

ترجمہ: ہمیں اپنے پانی کا کچھ فیض دو یا اس کھانے کا جو اللہ نے تمھیں دیا۔

صرف علم کافی نہیں

اے بیٹے! حدیثِ قدسی میں ہے کہ صبح کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا منادی یہ اعلان کرتا ہے: ہے کوئی سائل جس کی مراد پوری کر دی جائے؟ ہے کوئی بخشش چاہنے والا جسے بخش دیا جائے؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا جس کی توبہ قبول کر لی جائے؟ اگر صرف علم حاصل کر لینا کافی ہوتا اور اس کے علاوہ کسی عمل کی ضرورت نہیں ہوتی تو یہ اعلان اور ندا فضول اور بے فائدہ ہوتی۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ بہت اچھے انسان ہیں لیکن بہتر ہوتا کہ وہ رات میں بیدار ہو کر کچھ نوافل بھی پڑھتے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

لَا تُكْثِرِ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَاِنَّ كَثْرَةَ النَّوْمِ بِاللَّيْلِ تَدَعُ صَاحِبَهٗ فَقِيْرًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: رات میں زیادہ نہ سویا کرو اس لیے کہ رات میں زیادہ سونا قیامت کے دن محتاجی کا باعث ہوگا۔

ذکر و استغفار

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کو تین آوازیں پسند ہیں۔(۱) مرغ کی آواز (۲) تلاوتِ قرآن کرنے والے کی آواز (۳) صبح کے وقت استغفار کرنے والوں کی آواز۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہوا پیدا فرمائی ہے جو سحر کے وقت چلتی ہے اور بندوں کے اذکار و استغفار اٹھا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس لے جاتی ہے۔

اصلِ عبادت

اصلِ علم یہ ہے کہ تمھیں اطاعت وعبادت کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کر لو کہ اصلِ عبادت واطاعت اوامر ونواہی میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی پیروی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو یا نہیں کر رہے ہو، جو کچھ کہہ رہے ہو یا نہیں کہہ رہے ہو سب شریعتِ مطہرہ کی اقتدا ہی میں ہونا چاہیے۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ تم نے ایامِ تشریق میں روزہ رکھا تو اگرچہ تم بظاہر روزے دار ہو لیکن پھر بھی گنہگار ٹھہرو گے، اسی طرح اگر تم نے غصب کیے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھی تو بظاہر تم نماز پڑھ رہے ہو لیکن پھر بھی تم گنہگار ہو گے۔ اس لیے تمھارے ہر قول وعمل کا شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے اس لیے کہ شریعت کی پیروی کے بغیر ہر علم وعمل گمراہی کے دلدل میں ڈھکیلنے والا ہوتا ہے۔

دھوکہ مت کھانا

اے بیٹے! نام نہاد صوفیوں کی بے جا تاویلات اور لمبے چوڑے دعووں سے دھوکہ مت کھانا اس لیے کہ سلوکِ طریقت کی منزلیں مجاہدوں، نفسانی خواہشات کو ختم کرنے اور نفسانی خواہشات کو ریاضت کی تلوار سے کاٹنے سے حاصل ہوتی ہیں نہ کہ بے جا تاویلات اور بے بنیاد دعووں سے۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کرلو کہ بے لگام زبان اور غفلت وشہوت سے بھرا ہوا دل بدبختی کی علامت ہے۔ جب تک تم سچے مجاہدے سے اپنے نفس کو نہیں مارو گے اس وقت تک تمھارا دل انوارِ معرفت سے زندہ نہیں ہوگا۔

سالک کے لیے لازمی امور

سالک (مرید) پر چار امور لازمی ہیں:

(۱) صحیح عقیدہ کہ اس میں بدعت کا کوئی دخل نہ ہو۔

(۲) سچی توبہ کہ پھر گناہ کی طرف رُخ نہ کرے۔

(۳) ناراض لوگوں کو راضی کرنا یہاں تک کہ اس پر کسی کا حق باقی نہ ہو۔

(۴) شریعت کا اتنا علم حاصل کرنا کہ اس کے ذریعے اللہ کے احکام کی بجا آوری کرسکے اسی طرح آخرت کا اتنا علم حاصل کرنا کہ اس کے ذریعے آخرت میں نجات کا سامان حاصل کرسکے۔

منتخب حدیث

مروی ہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چار سو اساتذہ کی خدمت میں رہ کر علمِ حدیث حاصل کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے چار ہزار حدیثیں پڑھی ہیں لیکن میں نے

ان میں ایک حدیث کا انتخاب کیا اور اس پر عمل کیا۔ ایسا اس لیے کیا کہ جب میں نے اس حدیثِ پاک میں غور کیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں میرے لیے نجات کا سامان ہے اور اس میں اولین و آخرین سب کا علم موجود ہے لہٰذا میں نے اسے عمل کے لیے کافی سمجھا۔

وہ حدیثِ مبارک یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا:

اِعْمَلْ لِدُنْيَاكَ بِقَدْرِ مَقَامِكَ فِيْهَا وَاعْمَلْ لِاٰخِرَتِكَ بِقَدْرِ بَقَاءِكَ فِيْهَا وَاعْمَلْ لِلّٰهِ بِقَدْرِ حَاجَتِكَ اِلَيْهِ وَاعْمَلْ لِلنَّارِ بِقَدْرِ صَبْرِكَ عَلَيْهَا.

ترجمہ: دنیا کے لیے اسی قدر عمل کرو جس قدر تمھیں دنیا میں رہنا ہے، آخرت کے لیے اتنا عمل کرو جتنا تمھیں آخرت میں رہنا ہے، اللہ کے لیے اس قدر عمل کرو جس قدر تمھیں اس کی حاجت ہے اور جہنم کے لیے اس قدر عمل کرو جس قدر تمھیں اس کے عذاب پر صبر کرنے کی طاقت و استطاعت ہے۔

اے بیٹے! اگر تم نے صرف اس حدیث پر عمل کر لیا تو تمھیں کثیر علم کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

تم نے کیا حاصل کیا؟

حضرت حاتمِ اصم حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد تھے۔ ایک دن ان سے حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دریافت کیا کہ تم تیس سال تک میری صحبت میں رہے تم نے میری صحبت سے کیا حاصل کیا؟ انھوں نے کہا: میں نے علم کے آٹھ فوائد حاصل کیے اور یہ میرے لیے کافی ووافی ہیں کیوں کہ میں انھی میں اپنے چھٹکارے اور نجات

کے سامان فراہم ہونے کی امید کرتا ہوں۔ وہ فوائد یہ ہیں:

(۱) قبر کا ساتھی:

میں نے دیکھا کہ دنیا میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی محبوب و معشوق ہوتا ہے جس سے وہ محبت اور عشق رکھتا ہے۔ بعض محبوبین مرض الموت تک اس کا ساتھ دیتے ہیں اور بعض قبر کی دہلیز تک ساتھ دیتے ہیں پھر واپس لوٹ آتے ہیں اور کوئی بھی اس کے ساتھ قبر تک نہیں جاتا ہے۔ پھر میں نے سوچا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ انسان کا سب سے بڑا محبوب تو وہ ہوگا جو قبر میں اس کے ساتھ جائے اور قبر میں اس کے لیے مونس و غمخوار بنے۔ اب میں نے یہ غور کیا کہ اس طرح کا ساتھی کون ہے تو میں نے دیکھا کہ وہ نیک اعمال ہی ہیں جو قبر میں ساتھ جائیں گے۔ لہٰذا میں نے نیک اعمال کو اپنا محبوب بنالیا تاکہ وہ قبر میں میرے لیے چراغ بن جائیں، قبر میں میرے لیے مونس و غمخوار بنیں اور مجھے تنہائی کا احساس نہ ہو۔

(۲) خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت:

میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور خواہشات کے پیچھے سرگرداں رہتے ہیں۔ پھر میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان میں غور کیا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىؕ (سورۂ نازعات، آیت: ۴۰-۴۱)

ترجمہ: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔

مجھے اس بات کا یقین ہے کہ قرآن مقدس حق اور سچی کتاب ہے۔ اس لیے میں اپنے نفس کی مخالفت اور اس کے ساتھ مجاہدے میں لگ گیا اور میں اس کی کوئی خواہش پوری

نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ وہ اللہ کی اطاعت پر راضی ہو گیا اور اس نے اپنی گردن خم کر دی۔

(۳) ذخیرہ اندوزی سے پرہیز:

میں نے دیکھا کہ ہر کوئی دنیا کا مال و دولت جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر اسے اپنے پاس ذخیرہ کر کے رکھتا ہے۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور کیا:

مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ. (سورۂ نحل، آیت:۹۶)

ترجمہ: جو تمھارے پاس ہے (ختم) ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہے گا۔

تو مجھے جو کچھ دنیا کی دولت حاصل تھی میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے خرچ کر دیا اور اسے مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دیا تا کہ وہ میرے لیے آخرت کا ذخیرہ ہو جائے۔

(۴) عزت کس چیز میں ہے؟:

میں نے دیکھا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا شرف اور ان کی عزت قوم اور خاندان کے افراد کے زیادہ ہونے میں ہے لہٰذا وہ ایسے قبیلوں اور خاندانوں سے تعلق رکھنے کی بنیاد پر خود کو معزز سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عزت اور شرف مال اور اولاد کی کثرت میں ہے لہٰذا وہ مال اور اولاد کی کثرت پر فخر کرتے ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کا مال غصب کرنے، لوگوں پر ظلم کرنے اور ان کا خون بہانے میں عزت وشرف ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مال و دولت کو ضائع کرنے اور اِسراف وفضول خرچی میں عزت وشرف ہے۔ پھر میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان پر غور کیا:

اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ. (سورۂ حجرات، آیت:۱۳)

ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس لیے میں نے تقوٰی اختیار کیا اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان حق ہے اور لوگوں کے گمان اور ان کے خیالات سب باطل ہیں۔

(۵) حسد سے اجتناب:

میں نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کی مذمت اور غیبت کرتے ہیں اور میں نے اس کا اصل سبب مال، جاہ وحشمت اور علم میں ایک دوسرے سے حسد کرنے کو پایا۔ پھر میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان میں غور کیا:

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا. (سورۂ زخرف:۳۲)

ترجمہ: ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا۔

تو میں نے جان لیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازل ہی سے ساری چیزیں تقسیم فرما دی ہیں تو میں نے کسی سے حسد نہیں کیا اور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تقسیم سے راضی ہوں۔

(۶) اصل دشمن کون ہے؟:

میں نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے سے کسی نہ کسی سبب کی بنیاد پر دشمنی رکھتے ہیں۔ پھر میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان پر غور کیا:

اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا. (سورۂ فاطر، آیت:۶)

ترجمہ: بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو۔

تو میں نے جان لیا کہ شیطان کے علاوہ کسی اور سے دشمنی کرنا درست نہیں ہے۔

(۷) روزی متعین ہے:

میں نے دیکھا کہ ہر کوئی روزی حاصل کرنے اور کسبِ معاش کی حد درجہ کوشش اور محنت کرتا ہے یہاں تک کہ مشتبہ اور حرام چیزوں کا بھی اسے کوئی لحاظ نہیں رہ جاتا، وہ روزی

تلاش کرنے میں ذلیل بھی ہو جاتا ہے اور اپنی قدر و منزلت گھٹا بھی دیتا ہے۔ پھر میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان میں غور کیا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. (سورۂ ہود، آیت:۶)

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی (جان دار) ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔

تو میں نے جان لیا کہ میری روزی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے اور اللہ تعالیٰ مجھ تک میری روزی ضروری پہنچائے گا لہٰذا میں دوسروں سے امیدیں منقطع کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں لگ گیا۔

(۸) بھروسہ کس پر کیا جائے؟:

میں نے دیکھا کہ ہر کوئی کسی نہ کسی مخلوق پر بھروسہ کیے ہوئے ہے۔ بعض لوگ درہم و دینار پر بھروسہ کرتے ہیں، بعض لوگ مال و دولت اور سلطنت پر بھروسہ کرتے ہیں، بعض لوگ دستکاری اور کاریگری پر بھروسہ کرتے ہیں اور بعض لوگ اپنے ہی جیسے انسانوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پھر میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان پر غور کیا:

وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ (سورۂ طلاق، آیت:۳)

ترجمہ: اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے، بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے۔

تو میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھروسہ کیا اور وہ میرے لیے کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔

یہ جاننے کے بعد حضرت شقیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ تمھیں اس کی توفیق دے۔ میں نے توریت، انجیل، زبور اور قرآن مقدس کا مطالعہ کیا ہے، میں نے ان چاروں کتابوں کو انھی آٹھ فوائد پر مشتمل پایا ہے۔ جس نے ان آٹھوں فوائد کی پابندی کی وہ ان چاروں کتابوں کا عامل کہلائے گا۔

مرشدِ کامل کی اہمیت

ان دونوں حکایتوں سے تم نے بخوبی اندازہ کرلیا ہوگا کہ زیادہ علم کی ضرورت نہیں ہے (بلکہ زیادہ عمل کی ضرورت ہے۔) اب میں تمھیں یہ بتا دیتا ہوں کہ راہِ حق پر چلنے والے کے لیے کون سی بات ضروری ہے۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کرلو کہ سالک کے لیے ایک تربیت کرنے والے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنی تربیت کے ذریعے اس کے اندر سے بُرے اخلاق کو نکال کر اس کی جگہ اسے اچھے اخلاق کا درس دے۔ تربیت کا مطلب یہی ہے کہ جیسے کوئی کسان اپنی کھیتی سے گھانس اُکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور غیر ضروری پودوں کو کھیت سے نکال دیتا ہے تاکہ پیداوار اچھی ہو اور نشوونما بہتر ہو۔ اسی طرح سالک کے لیے بھی اپنی تربیت اور راہِ حق کی طرف اپنی رہنمائی کے لیے کسی مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا۔ جب آپ اس دنیا سے بظاہر رخصت ہو گئے تو یہ ذمے داری آپ کے نائبین نے سنبھال لی ہے۔

مرشدِ کامل کی شرطیں

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب بننے کی استعداد اسی میں ہوسکتی ہے جو عالم ہو

البتہ ہر عالم بھی سرورِکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت کی اہم ذمے داری نہیں سنبھال سکتا ہے۔ اس لیے میں اجمالاً مرشدِ کامل کی بعض علامتیں بیان کر دیتا ہوں تاکہ ہر کوئی مرشد ہونے کا دعوٰی نہ کر سکے۔

(۱) اس کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو ساتھ ہی دنیوی اعزاز اور جاہ وحشمت کی چاہت بھی نہ ہو۔

(۲) وہ صاحبِ بصیرت مرشد کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہو۔

(۳) اس مرشد کے توسط سے اس کا سلسلہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔

(۴) نیک اعمال میں مصروف رہتا ہو۔

(۵-۱۰) نفس کے ساتھ ریاضت کرتا ہو یعنی کم کھاتا ہو، کم سوتا ہو، کم بولتا ہو، نوافل کی کثرت کرتا ہو، خوب نفلی روزے رکھتا ہو اور خوب صدقہ وخیرات کرتا ہو۔

(۱۱-۲۶) وہ خود اپنے پیرِ کامل کی پیروی میں صبر، نماز، شکر، توکّل علی اللہ، یقین، سخاوت، قناعت، طمانیتِ نفس، بردباری، عاجزی وانکساری، علم، صدق، شرم وحیا، وفاداری، وقار اور سکون وغیرہا اچھی صفات کا مالک ہو۔

جب وہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے منور ہو جائے گا تو لائقِ اقتدا ہو جائے گا۔ لیکن اس طرح کے مرشد کا ملنا مشکل ہے۔

اگر مرشدِ کامل مل جائے

جس کی قسمت نے ساتھ دیا اور اسے مذکورہ صفات کا حامل مرشد مل گیا اور اس مرشد نے بھی اسے اپنے مریدوں میں قبول کر لیا تو ظاہر وباطن دونوں طرح سے اس کا احترام کرنا ضروری ہے۔

ظاہری طور پر احترام تو یہ ہے کہ

☆ اپنے مرشد کے ساتھ کسی مسئلے پر بحث ومباحثہ نہ کرے اگر چہ اسے ایسا لگتا ہو کہ اس کے مرشد غلطی پر ہیں۔(اس گمان کو اپنی ناقص علمی پر محمول کرے۔)

☆ اپنے مرشد کے سامنے مصلّٰی وغیرہ بچھا کر نہ بیٹھے۔البتہ نماز کے لیے بچھا سکتا ہے لیکن جیسے ہی نماز سے فارغ ہو فوراً اسمیٹ لے۔

☆ اپنے مرشد کی موجودگی میں زیادہ نوافل پڑھنے سے پرہیز کرے۔

☆ اپنے مرشد کے ہر حکم پر اپنی طاقت بھر عمل کرے۔

باطنی طور پر احترام یہ ہے کہ جو باتیں اپنے مرشد کے سامنے سنتا اور قبول کرتا ہے اس کی عدمِ موجود میں اپنے کسی قول یا فعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تاکہ منافق نہ شمار کیا جائے۔اگر اس کے اندر ایسا کرنے کی طاقت نہیں ہے تو وہ اپنے مرشد کی صحبت ترک کردے جب تک کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں نہ ہوجائے۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی التزام کرے کہ برے لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھے تاکہ اس کے دل کا سرکش انسانوں اور شیطانوں کے ساتھ لگاؤ کم ہوجائے اور اس کا دل شیطانوں کی گندگی سے پاک ہوجائے۔ساتھ ہی ہر حال میں فقر کو امیری پر ترجیح دے۔

بندگی کیا ہے؟

تم نے مجھ سے بندگی کے بارے میں پوچھا تھا تو جان لو کہ بندگی تین چیزوں کا نام ہے۔(۱)شرعی احکام کی پابندی کرنا۔(۲)اللہ کے فیصلے، تقدیر اور تقسیم پر راضی ہونا۔(۳)اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنے نفس کی رضا کو قربان کردینا۔

توکل کیا ہے؟

تم نے مجھ سے توکّل کے بارے میں پوچھا تھا تو ذہن نشیں کرلو کہ توکل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے وعدے پر تم پختہ یقین رکھو یعنی تمھارا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھارے لیے جو مقدر فرما دیا ہے ہر حال میں تمھیں مل کر رہے گا اگرچہ پوری دنیا مل کر تم سے اس چیز کو روکنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو تمھارے لیے مقدر نہیں فرمایا ہے وہ کسی صورت میں تم تک نہیں پہنچ سکتا ہے اگرچہ پوری دنیا تمھاری مدد میں لگ جائے۔

اخلاص کیا ہے؟

تم نے مجھ سے اخلاص کے بارے میں پوچھا تھا۔ اخلاص یہ ہے کہ تمھارے سارے اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں، (ان اعمال پر) لوگوں کی مدح وستائش سے تمھارا دل راحت محسوس نہ کرے اور نہ ہی ان کی مذمت کی تمھیں کوئی پرواہ ہو۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کرلو کہ ریاکاری مخلوق کو بڑا سمجھنے کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ ریاکاری کا علاج یہ ہے کہ تم لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے سامنے مسخر خیال کرو اور ان کے تعلق سے یہ تصور جمالو کہ راحت اور مشقت پہنچانے کی قدرت کے معاملے میں وہ جمادات کی طرح ہیں۔ اس تصور کے ذریعے تم ان کے سامنے کسی عمل کا دکھاوا کرنے سے بچ جاؤ گے۔ اگر تم انھیں قدرت والا سمجھو گے تو ریاکاری سے کبھی بچ نہیں سکتے۔

آٹھ باتوں کی نصیحت

اے بیٹے! میں تمھیں آٹھ باتوں کی نصیحت کرتا ہوں، ان پر عمل کرنا تاکہ قیامت کے دن تمھارا عمل تمھارا دشمن نہ بن جائے۔ ان میں سے چار باتیں کرنے کی ہیں اور چار باتیں ترک کرنے کی ہیں۔

جن باتوں سے اجتناب ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۱) بحث ومباحثے سے گریز کرنا۔

جہاں تک ممکن ہو کسی شخص سے کسی مسئلے میں مت الجھنا اس لیے کہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں۔ اس میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔ بحث ومباحثے ہی کی وجہ سے ریاکاری، گھمنڈ، کینہ، بغض وعداوت اور فخر وغیرہ بُری عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) وعظ ونصیحت سے پرہیز کرنا۔

وعظ ونصیحت کرنے سے پرہیز کرنا اس لیے کہ اس میں بہت ساری آفتیں اور متعدد نقصانات ہیں۔ البتہ جس بات کی تم نصیحت کرنے جارہے ہو اگر تم پہلے سے اس کے عامل ہو تو نصیحت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو فرمایا گیا تھا اس پر غور کرو: يَا ابْنَ مَرْيَمَ عِظْ نَفْسَكَ فَاِنِ اتَّعَظَتْ فَعِظِ النَّاسَ وَاِلَّا فَاسْتَحْيِ مِنِّي.

ترجمہ: اے عیسیٰ بن مریم! اپنے نفس کو نصیحت کرو، اگر اس نے نصیحت قبول کر لی تب دوسروں کو نصیحت کرو، ورنہ مجھ سے حیا کرو۔

(۳) مال داروں اور سلطانوں سے دوری اختیار کرنا۔

مال داروں اور سلطانوں سے دور ہی رہنا اور انھیں دیکھنا بھی پسند مت کرنا اس لیے کہ انھیں دیکھنا، ان سے میل جول رکھنا اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بہت بڑی آفت ومصیبت کا باعث ہے۔ اگر کبھی اتفاق سے ان سے میل جول رکھنا ہی پڑ جائے تو ان کی تعریف مت کرنا اس لیے کہ جب فاسق وفاجر یا ظالم کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ جو شخص ان کے لیے درازیِ عمر کی دعا کرتا ہے گویا کہ وہ یہ پسند کرتا

ہے کہ زمین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی ہو۔

(۴) مال داروں کے تحفے تحائف قبول مت کرنا۔

مال داروں سے کسی بھی قسم کا تحفہ اور نذرانہ قبول مت کرنا اگرچہ تمھیں پتہ ہو کہ یہ حلال کمائی سے ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں سے لالچ رکھنا دین میں بگاڑ کا سبب بنے گا کیوں کہ اس سے ان کے لیے دل میں نرم گوشہ پیدا ہوگا اور ان کی طرف داری اور ظلم میں ان کے تعاون کا جذبہ پیدا ہوگا۔

وہ چار باتیں جن کا اپنانا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۵) اللہ تبارک وتعالیٰ سے بہتر معاملہ رکھنا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے ایسا معاملہ رکھنا کہ اگر تمھارا غلام تمھارے ساتھ وہ معاملہ رکھتا تو تم اس سے خوش ہوتے اور اس کے تعلق سے تمھارے دل میں غصہ اور ناراضی نہیں پیدا ہوتی۔ وہ معاملات کہ اگر تمھارا غلام تمھارے ساتھ کرتا تو تم اس سے راضی نہیں ہوتے اس طرح کے معاملات اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ بھی مت رکھنا۔

(٦) بندوں کے ساتھ اچھا معاملہ رکھنا۔

لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا کہ اگر وہ تمھارے ساتھ ویسا معاملہ کرتے تو تمھیں اچھا لگتا اس لیے کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ سارے لوگوں کے لیے وہی چیز پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(۷) علم اور مطالعہ اچھی نوعیت کا ہو۔

جب تم کوئی علم حاصل کرو یا کسی فن کا مطالعہ کرو تو اس بات کا خیال رکھنا کہ تمھارا علم تمھارے دل کی پاکی کا ذریعہ بنے۔ اگر تمھیں پتہ چل جائے کہ تم صرف ایک ہفتہ زندہ رہنے والے ہو تو یہ بات یقینی ہے کہ تم علمِ فقہ، علمِ مناظرہ، علمِ اصول، علمِ کلام وغیرہ کے حصول

میں وقت صرف نہیں کرو گے کیوں کہ تمھیں پتہ ہے کہ یہ علوم اب تمھارے لیے کافی نہیں ہوں گے اس لیے تم اپنے دل کی نگرانی، نفس کی صفات کی معرفت حاصل کرنے، دنیا کے تعلقات سے روگردانی، دل کو بُرے اخلاق سے پاک کرنے، اللہ کی محبت اور اس کی عبادت اور اپنے آپ کو اچھے اخلاق کا پیکر بنانے میں مصروف ہو جاؤ گے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کر لو کہ کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں کسی بندے کے مرنے کے امکانات نہیں ہوتے۔

(۸) لالچ سے پرہیز کرنا۔

جتنے مال میں تمھارا ایک سال کا خرچ چل جائے اس سے زیادہ دنیوی مال و دولت جمع کر کے مت رکھنا۔ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی بعض ازواجِ مطہرات کے لیے ایک سال کی خوراک جمع فرما دیتے اور دعا فرماتے کہ اے اللہ! آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو بقدرِ کفایت روزی عطا فرما۔ یہ طریقہ بھی آپ نے ساری ازواج کے لیے نہیں اختیار فرمایا تھا بلکہ جن کے دل میں کچھ ضعف دیکھتے ان کے لیے ایسا کرتے اور جو ازواج یقینِ کامل رکھتی تھیں ان کے لیے ایک دن یا آدھے دن کی خوراک سے زیادہ نہیں جمع فرمایا کرتے تھے۔

اے بیٹے! میں نے اس خط میں تمھاری گزارش کردہ باتیں لکھ دی ہیں اب تمھاری ذمے داری بنتی ہے کہ تم ان پر عمل کرو اور اپنی نیک دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھنا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شاگرد کو نصیحتوں سے بھرا ہوا جو یہ خط بھیجا تھا وہ ہر اس شخص کے لیے مشعلِ راہ ہے جو دنیا و آخرت کی بھلائی کا طلب گار ہے۔ ہمیں اس خط کے لفظ لفظ کو عملی جامہ پہنانا چاہیے تا کہ ہمارے اخلاق اچھے ہو جائیں، ہماری زندگی نکھر جائے اور ہماری آخرت سنور جائے۔

۞۞۞

اہم گزارش

احیائے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی

جہاں تعلیم تبلیغ اور تربیت کے ذریعہ قوم کی گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے وہیں الحمدللہ! اصلاح عقائد و اعمال کے موضوع پر کتابوں کو شائع کر کے لوگوں کے ذہنوں کو دینی بنانے اور سینوں کو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے نور سے جگمگانے کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔

اب تک مختلف موضوعات پر درجنوں کتابیں اردو، ہندی، انگلش اور گجراتی میں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن کو پڑھنے کے بعد گناہوں سے نفرت اور آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ آج کے دور میں دینی کتابوں کو لوگوں تک پہنچا کر ان کی دنیا و آخرت سنوارنا بہت بڑا نیک کام ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اپنے اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے اور فروغ دین وسنیت کے لیے ادارہ معارف اسلامی اور مکتبہ طیبہ کی شائع کردہ کتابوں کو خرید کر لوگوں میں مفت تقسیم کریں، ان شاء اللہ دارین میں اس کا فائدہ میسر ہوگا اور مرحومین کو ان شاء اللہ جنت نصیب ہوگی۔

نوری قافلے: ہر ماہ کم از کم ایک یا تین روز کے لیے نوری قافلے میں نکلیں، ان شاء اللہ دل کو سکون حاصل ہوگا، پریشانیاں دور ہوں گی اور برکتیں میسر ہوں گی۔

ہفتہ واری اجتماع: ہر سنیچر بعد نماز عشا مرکز اسمٰعیل حبیب مسجد ممبئی میں سنی دعوت اسلامی کے ہفتہ واری اجتماع میں ضرور شرکت فرمائیں، دینی معلومات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ آپ کا سینہ محبت رسول کا مدینہ بنے گا۔ ان شاء اللہ!

اپنے ساتھ کم از کم تین احباب کو ضرور لائیں اور بے شمار نیکیاں کمائیں۔

کتابوں کیلئے رابطہ نمبر 9819628034 قافلہ کیلئے رابطہ نمبر 9892509900

Published by:
MAKTABA-E-TAIBAH
Markaz Ismail Habib Masjid, 126, Kambekar St, Mumbai-3